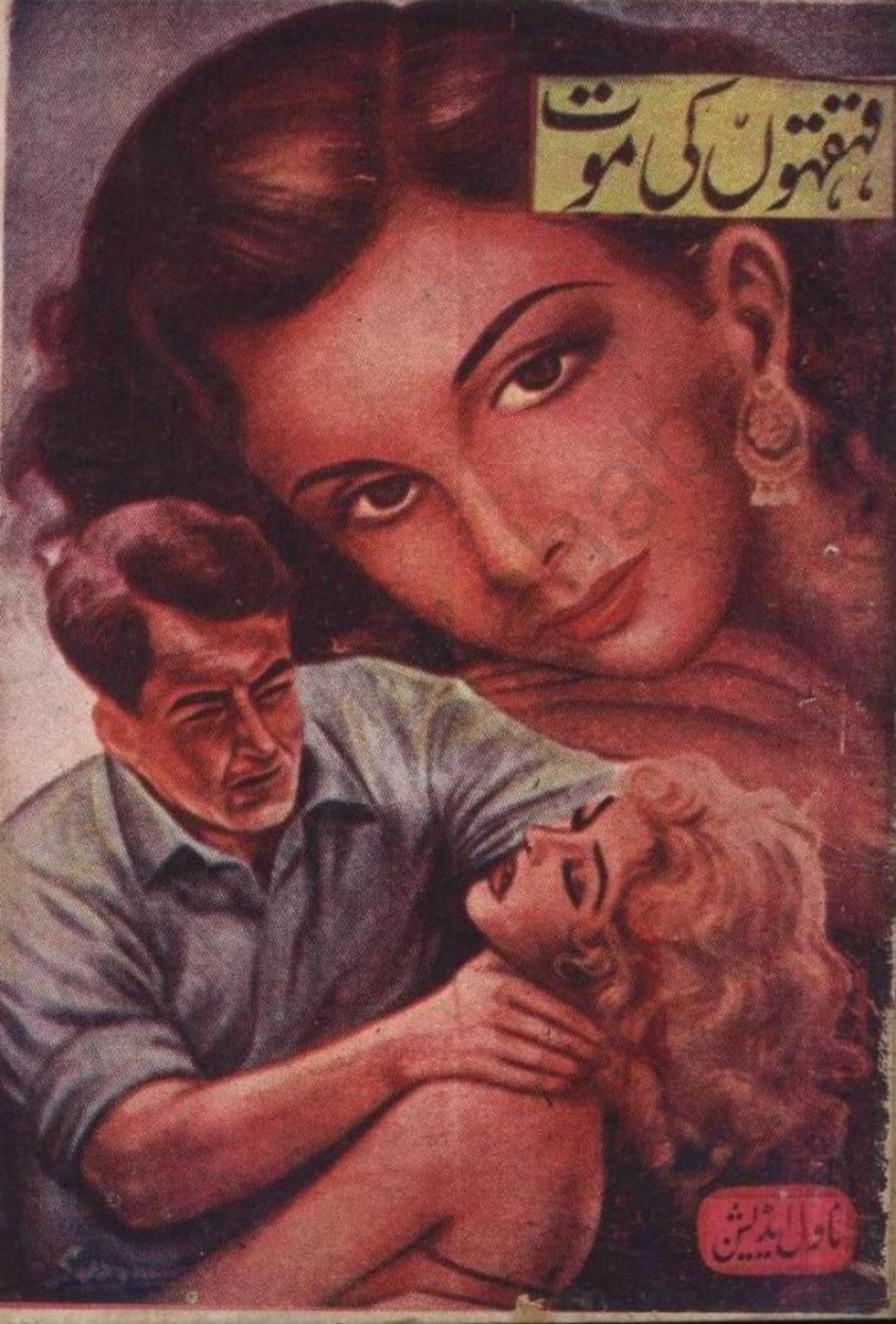
ہفتوں کی موت
ناول ایڈیشن

جاسوسی دائرہ سیریز

قہقہوں کی موت

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

قہقہے اور موت

یہ پراسرار واقعہ گزشتہ شب ظہور میں آیا، جب ڈاکٹر جیٹھا ایک کنونشن میں مدعو تھے۔ یہ کنونشن پرائیوٹ پریکٹس کرنے والے ڈاکٹروں کی ایسوسی ایشن نے بلایا تھا اور ڈاکٹر جیٹھا کو اس کی صدارت کا فخر حاصل تھا۔شہر کے ڈاکٹروں میں وہ ممتاز اور صاحبِ حیثیت سمجھے جاتے تھے۔کون جانتا تھا کہ اچانک یہ کچھ ہوجائے گا۔اور ایسوسی ایشن ایک قابل ٹرین ڈاکٹر کی رہبری سے محروم ہوجائے گی۔

وہ ٹھیک ۸ بج کر ۲۵ منٹ پر اپنی صدارتی تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور بھرے ہوئے جسم والے اس ۴۵ سالہ ڈاکٹر کی پراثر شخصیت کی طرح اس کی تقریر بھی بڑی جوشیلی اور اور پراثر تھی۔وہ ڈاکٹروں کو احساس دلا رہے تھے کہ انھیں غریب عوام کی مدد کے لیے اپنا کچھ وقت روز خیراتی اسپتالوں کو بلا معاوضہ دینا چاہیے۔تقریر سننے والوں میں کچھ ڈاکٹر ایسے بھی تھے جنہیں یہ کاروباری گھاٹا کوکین کی کڑوی گولیوں کی طرح حلق میں پھنستا معلوم ہورہا تھا اور وہ تقریر سننے سے زیادہ اونگھنا پسند کررہے تھے،لیکن اس وقت تو سب چونک پڑے جب سارا ہال 'مارے' کی آوازوں سے گونج اٹھا۔

ڈاکٹر جیٹھا تقریر کرتے کرتے اچانک رک گئے تھے۔ان کے چہرہ سرخ ہورہا تھا اور مائک کے قریب میز پر ٹکا ہوا ان کا ایک ہاتھ،جس پر وہ اپنے اوپر کا نصف بدن کا کچھ بوجھ ڈالے ہوئے تھے،کانپنے لگا تھا۔ڈاکٹر جیٹھا کے قریبی ہم پیشہ دوست جانتے تھے کہ صحت مند ڈاکٹر کو کوئی بیماری نہیں ہے۔پھر یہ اتفاق؟ لیکن اس سے پہلے کہ وہ ڈاکٹر جیٹھا کے قریب پہنچیں،ایک عجیب بات ہوگئی،جس نے انھیں فرطِ حیرت سے پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کردیا۔

ڈاکٹر جسے اپنی زندگی میں بہت کم کسی بات پر ہنستے پایا گیا تھا،اور جو فطرتاً ہی کم گو اور

Akram Allahabadi

سنجیدہ واقع ہوا تھا، اس وقت ان کے لیے ایک معمہ بن گیا۔ اس معمے کی ابتدا بے ساختہ پھوٹ جانے والی اس کی ہنسی سے ہوئی، جو پہلے کھلکھلاہٹ میں پھر اور پھر مسلسل قہقہوں میں تبدیل ہوگئی۔ سارا ہال اسے اس کیفیت میں دیکھ کر سُن ہوگیا۔ یہ ان کے لیے قطعی غیر متوقع بات تھی۔ ہوسکتا ہے کہ کسی اچانک خیال کے آجانے سے کسی کو بے ساختہ ہنسی آئے، لیکن ڈاکٹر جیٹھا کے قہقہے رکنے کا نام نہ لیتے تھے۔ ایک قہقہے کے ختم ہوتے ہوتے دوسرا بلند ہوجاتا۔ پہلے ان قہقہوں نے لوگوں کو چند لمحوں تک اس خیال سے مبہوت رکھا کہ شاید کوئی غیر معمولی بات اور ڈاکٹر اپنی ہنسی پر قابو پانے کے بعد اس کا سبب ضرور بتائے گا، لیکن جب ان قہقہوں کو دو منٹ سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا تو وہ خود غیر معمولی معلوم ہونے لگا۔ بلکہ اب ان سے ایک عجیب سا بھیانک پن ظاہر ہونے لگا تھا۔ ڈاکٹر کی آنکھیں قہقہوں کے ساتھ اُبل پڑ رہی تھیں یہ دیکھ کر ڈئس پر بیٹھا ہوا ان کا اسسٹنٹ، ڈاکٹر رحمن سب سے پہلے ان پر جھپٹا اور اس نے ان کے دونوں ہاتھوں سے انھیں قابو میں کرنا چاہا، لیکن وہ یہ دیکھ کر چیخ اٹھا کہ ڈاکٹر کا جسم بھی کسی اسٹیل اسپرنگ کی طرح اکڑ رہا ہے۔

"کم آن، ڈاکٹرز، یہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔" اس نے دوسروں کو مدد کے لیے پکارا۔ یہ قدرتی بات تھی کہ کنونشن میں آتے وقت کوئی بھی ڈاکٹر اپنی دواؤں کا بیگ یا اسٹیتھسکوپ یا بلڈ پریشر جانچنے کا پمپنگ سیٹ نہیں لایا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکے کہ انھوں نے ڈاکٹر کو میز پر ہی لٹا کر اپنے بازو سے اس کے جسم میں پیدا ہونے والی اکڑن کو روکنا چاہا۔ ایک ڈاکٹر ڈاکٹر جیٹھا کی نبض دیکھنے لگا، لیکن دوسرے لمحے ہی وہ اچھل پڑا، نبض بہت تیز چل رہی تھی اور ڈاکٹر کا بدن بھی گرم محسوس ہو رہا تھا۔ قریب ترین اسپتال کے انچارج سرجن کو ٹیلی فون اسی وقت کر دیا۔ ساتھ ہی ڈاکٹر کے منہ پر پانی وغیرہ کے چھینٹیں وغیرہ ڈالنے کی بھی کوشش کی گئی، لیکن لاحاصل۔ اس سے قبل کہ مدعو شدہ سرجن پہنچے، ایک قہقہہ ڈاکٹر جیٹھا کے حلق میں موت کے پھندے کی طرح پھنس چکا تھا۔ اور صرف تین جھٹکوں میں ڈاکٹر جیٹھا کا

نام زندہ انسانوں کی فہرست سے خارج کردیا۔

ڈاکٹر سید نے نبض پر سے ہاتھ ہٹالیا، کیونکہ وہ ڈوب رہی تھی۔اور ڈاکٹر کا بدن بھی فوراًبعد سرد ہوتا جارہا تھا۔ڈاکٹر سید نے اب ڈاکٹر کے سینے پر کان رکھ کران کے دل کی ڈوبتی دھڑکنیں سننے کی کوشش کی، حالانکہ وہ ڈوب ہی چکی تھیں۔

''ڈاکٹرز، کہیں یہ متعدی مرض نہ ہو۔'' ڈاکٹروں میں سے ایک کی آواز نے ان سب کو چونکا دیا۔اور وہ منظر دیکھنے کے لائق تھا، جب اس کے متعدی نہ ہونے کی وجوہ پر غور کیے بغیر، دوسروں کو موت سے بچنے کے نسخے تجویز کرنے والے یہ لوگ بے تحاشہ ڈاکٹر جیٹھا کی لاش کو چھوڑ کر اس طرح منتشر ہو گئے، جیسے جیٹھا کا بھوت اٹھ کر انھیں لپٹ جائے گا۔بالآخر وہ انسان تھے اور اس سرزمین کی پیداوار جہاں وہم پرستی کو ہمیشہ ید طولٰی رہا ہے، اس لیے کسی نامعلوم خوف کا اچانک احساس انھیں متاثر کیے بغیر نہ رہ سکا۔

☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر جیٹھا کی پراسرار موت پر قیاس آرائیوں سے اخباروں نے کئی کئی کالم بھر ڈالے، لیکن تمام ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ یہ تھا کہ اگر ڈاکٹر کی اس قہقہہ بردوش موت کا سبب کوئی مرض ہے، تو وہ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔خصوصی سرکاری اجازت کے ساتھ اسی شام کو لاش کا پوسٹ مارٹم بھی کیا گیا تھا، جس میں میڈیکل سائنس کے اعلٰی سند یافتہ لوگ بھی شامل تھے، لیکن پریس کو جو فیصلہ کن اطلاع دے سکے وہ یہی تھی کہ 'کچھ سمجھ میں نہیں آسکا'۔یہ اپنی نوعیت کا بالکل عجیب اور غیر معمولی واقعہ ہے اور ظاہر ہے کہ جب خود طبی ماہرین ہی اس سلسلے میں معذور نظر آرہے تھے، تو دوسرے حلقوں نے اسے کیا کیا رنگ نہ دیے ہونگے۔پبلک کے قدامت پرست حلقوں میں تو اسے کوئی آسیبی خلل سے ہونے والی موت ہی سے تعبیر کیا جارہا ہے، لیکن جو کچھ بھی سہی، آج کی دوپہر تک ڈاکٹر جیٹھا کی موت کا واقعہ ایک سنسنی خیز اسرار کی

حیثیت اختیار کر گیا، جس کی حقیقت جاننے کے لیے سب ہی بے چین تھے، لیکن جانتا کوئی نہ تھا۔ پوسٹ مارٹم سے ڈاکٹر کے جسم کے کسی حصے میں کوئی غیر معمولی بات، یا معدے کی تھیلی میں کسی قسم کے مہلک اجزاء، یا بھیجے میں منچسٹر جیسی کسی بیماری کے جراثیم بھی نہیں پائے گئے اور اس لیے یہ کیس ملک گیر پیمانے پر طبی اور سائنسی حلقوں کی دلچسپی کا سبب بن گیا۔ اس کش مکش میں بہت سے لوگ تو ڈاکٹر کے لواحقین کو تعزیتی پیغامات بھیجنا بھی بھول گئے۔

☆☆☆☆☆☆

''کمشنر صاحب نے سلام بولا ہے۔'' چپراسی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مؤدب لہجے میں کہا۔ اور خفیہ پولیس کے شعبۂ جرائم کا انچارج سپرنٹنڈنٹ خاں فائلوں کے کاغذات میں کھوئے کھوئے چونک پڑا۔

''آں... ہم... اچھا۔'' وہ یہ کہہ کر فائل بند کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ میز پر صبح کے اخبارات بکھرے پڑے تھے۔ میز کی داہنی سمت کی دیوار پر کھونٹی سے اس کا وردی والا سفید کوٹ اور ہینگر میں پتلون ٹنگی تھی۔ بدن پر وہ حسبِ معمول سادہ شہری لباس ہی پہنے تھا۔

اسے آفس سے باہر گئے ابھی بمشکل دو منٹ ہی ہوئے تھے کہ سارجنٹ بالے آ پہنچا۔

''صاحب کہاں ہیں؟'' اس نے تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے پیر پھیلا کر چپراسی سے پوچھا۔

''صاحب کے پاس۔'' چپراسی نے جواب دیا۔

''کیا ہوئی یہ؟ صاحب صاحب کے پاس ہیں؟'' ابے گدھے، پلس پلس مائنس کا فارمولا ہے۔''

''نہیں، صاحب۔'' چپراسی نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

Akram Allahabadi

''تو پھر تم کیا سمجھو گے کہ دو صاحب جمع کرنے سے ایک میم بنتی ہے، جیسے صاحباں۔'' مگر بات وہیں رک گئی۔ خان کا دوسرا اسسٹنٹ رؤف بھی اندر آ پہنچا تھا۔

''جاؤ، باقی آئندہ۔'' بالے نے چپراسی کو ٹلنے کا اشارہ کیا اور وہ کچھ نہ سمجھ کر اثبات میں سر ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔

''کیا سمجھا رہے تھا سے؟'' رؤف نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''مونچھوں کا الجبرا سمجھا رہا تھا کہ اگر دو مونچھوں کو جمع کیا جائے تو ایک پونچھ بن جاتی ہے۔'' بالے نے میز پر پیپر ویٹ گھمارے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''یار بالے صاحب، کبھی تو...'' رؤف نے جھنجلا کر کہنا چاہا۔

''سنجیدہ ہو جایا کرو۔'' بالے نے خود ہی اس کا جملہ پورا کر دیا۔

''تم میری مونچھوں کو معاف نہیں کر سکتے؟''

''ہرگز نہیں۔ قانون کے نزدیک معافی کوئی چیز ہی نہیں۔ میرے خیال میں تو تمہاری مونچھوں کو دس سال قیدِ با مشقت، اونہوں، مشقت کی سزا ہونی چاہیے۔''

''آج میں خاں صاحب سے ضرور کہوں گا۔''

''ہے ہے.. اوہ بھائی، عمر میں کھوسٹ ہو چلے، مگر بچوں کی سی عادت نہیں گئی۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ کیا بھونڈا مذاق ہے۔''

''اچھا کیا عمر ہو گی تمہاری؟''

''تم سے کچھ زیادہ نہیں۔''

''تب تو اپنی اولادوں سے خود کو بھائی جان کہلواتے ہو گے؟''

''خدا لگام دے تمہارے منہ میں۔'' رؤف زچ ہو کر اٹھنے لگا۔ ''اب جبھی آؤں گا، جب خان صاحب موجود ہوں گے۔'' لیکن اس کے جانے سے پہلے ہی خان واپس آ گیا اس کے ہاتھ میں ٹائپ کیا ہوا ایک کاغذ تھا۔ رؤف اٹینشن ہو گیا، لیکن بالے نے جیسا سے دیکھا ہی

نہیں۔وہ اس وقت دکھانے کے لیے چونکا، جب خان کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

''سنا تھا آپ کمشنر کے پاس گئے تھے؟''اس نے پوچھا۔

''سنا ہوگا۔''خان نے کاغذ پر نظریں جماتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''ایسا موڈ اس وقت ہوا کرتا ہے جب افسر کسے بڑے افسر کی ڈانٹیں سن کر آئے۔''

بالے چھت کو گھورتے ہوئے بڑبڑایا۔جواب میں خان اسے صرف گھورنے لگا۔

''بزرگوں سے سنا ہے، میرا مقولہ نہیں۔''بالے نے جلدی سے تردید کر دی۔

''تھوک کر چاٹنا اسی کو کہتے ہیں۔''اسے رؤف کی بھنبھناتی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس نے آہستگی سے کہا کہ اسے صرف بالے ہی سن سکے۔

''سمجھ لونگا۔''بالے نے منہ ہی منہ میں اسے دھمکی دی اور خان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''تم نے ڈاکٹر جیٹھا کی پراسرار موت کے بارے میں پڑھا ہے؟''

''پڑھنا لکھنا بچوں کا کام ہے، میں تو...''

''شٹ اپ۔یہ آفس ہے۔''

''اوکے، باس۔''

''میڈیکل گراؤنڈز پر اس کے اسباب دریافت نہیں ہو سکے ہیں۔اس لیے پولیس سے اس کی انکوائری کا مطالبہ کیا گیا ہے۔''

''اور ظاہر ہے کہ یہ کیس آپ کے ہی سپرد فرمایا ہوگا۔''

''میں نے خود ہی لیا ہے اسے۔''

''اور آپ اس کی وجہ نہیں بتائیں گے غالباً؟''

''وجہ یہی ہے کہ دوسرے سے کوئی قابلِ تفتیش کیس تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہ تھے۔''

''چہ خوش۔وہ اجتماع ضدین رہا ہوگا۔''

Akram Allahabadi

''میں حالات کو ہمیشہ دوسروں سے مختلف نظر سے دیکھتا ہوں۔اس طرح ان کے ڈھکے چھپے پہلو بھی سامنے آجاتے ہیں۔''

''لیکن اس میں کیا نظر آ گیا آپ کو؟''

''کنونشن کی رپورٹ کے مطابق کسی ڈاکٹر کا یہ جملہ کہ کہیں یہ متعدی مرض ہو۔''

''تو یہ کوئی خاص بات ہوئی؟'' بالے نے کہا۔

''ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔سوال یہ ہے کہ جب اپنی نوعیت کا سب سے عجیب اور پہلا واقعہ تھا تو کہنے والے کے دماغ میں یہ خیال کہاں سے پیدا ہوا؟''

''مجھے ایک مہینے کی رخصت دلا دیجیے۔''

''کیوں؟''

''ڈاکٹر جیٹھا کی سمادھی پر بیٹھ کر آپ کے لیے دعائے خیر کروں گا۔''

''ہاں، رؤف۔'' خان اس کی بات پر دھیان دیے بغیر رؤف کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''تمھیں بلایا تو تھا میں نے دوسرے کام سے، لیکن اب تمھیں ڈاکٹروں کی ایسوسی ایشن کے اس جلسے میں شریک ہونا پڑے گا جو ڈاکٹر جیٹھا کی موت پر اظہارِ تعزیت کے لیے آج شام کو دسودر ہال میں بلایا جا رہا ہے۔'' خان نے رؤف کو ہدایت کی۔

''میری حیثیت کیا ہوگی؟'' رؤف نے سوال کیا۔

''اس کا انتظام میں ابھی کرائے دیتا ہوں۔تم وہاں ڈاکٹر جیٹھا کے ایک دوست ڈاکٹر کی حیثیت سے ہی شریک ہو گے جو اندور سے یہاں اتفاقاً آیا ہوا ہو۔ میں ایسوسی ایشن کے سکریٹری کو اطلاع کرائے دیتا ہوں۔'' خان نے کہا۔

''لیکن...'' رؤف نے کہنا چاہا۔

''ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے وہاں تمہاری قابلیت کا امتحان نہیں لیا جائے گا، وہ صرف تعزیتی جلسہ ہے۔'' خان اس کا مطلب سمجھ کر خود ہی بیچ میں بول اٹھا۔

Akram Allahabadi

''مجھے کیا کرنا ہوگا وہاں؟'' رؤف نے سوال کیا۔

''حجامت۔'' بالے سے نہ رہا گیا۔

''تم چپ رہو۔'' خان نے اسے پھر ڈانٹا۔ پھر وہ رؤف کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''تمہیں وہاں موجود شخصیتوں کے کردار کے مطالعے کے ساتھ ساتھ اس گفتگو یا ان تبصروں پر کان لگائے رہنا ہوگا جو وہاں ڈاکٹر جیٹھا اور ان کی موت سے متعلق کیے جائیں۔ صرف وہی چیزیں نوٹ کرنی ہیں، جن میں شبے کی خفیف سی جھلک بھی پائی جائے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' رؤف نے اٹینشن ہو کر رخصت طلب انداز میں کہا۔

''چاہو تو احتیاطاً معمولی سے میک اپ کے ساتھ ایک داڑھی کا اضافہ کر لو۔'' خان نے اسے مزید ہدایت دی۔

''اضافہ ہی اضافہ تو ہے اور کیا رہ گیا ہے۔'' بالے دبی زبان سے بڑبڑایا۔

''تم پھر بولے؟'' خان نے اسے گھورا۔

''عجیب حکم نالہ بندی، اوہ نہیں، زبان بندی ہے ان کی محفل میں۔'' بالے نے سرد آہ بھر کر شاعری کی مرمت شروع کر دی۔

رؤف خان کا اشارہ پا کر سلیوٹ کرتا ہوا باہر جا چکا تھا۔

''تمہاری زبان نے خاموش رہنا بھی سیکھا ہے؟'' خان نے بالے کی طرف گھومتے ہوئے سوال کیا۔

''خاموشی اور موت میں تھوڑا سا فرق ہوا کرتا ہے۔'' بالے نے ڈھٹائی سے کہا۔

''مجھے ڈاکٹر کے گھر کے لوگوں کے بیانات جلد از جلد چاہئیں اور تم جانتے ہو کہ تمہیں ان سے کیا معلوم کرنا ہے۔'' خان بولا۔

''یعنی یہ ڈیوٹی اس بدنصیب کی؟''

''مجھے شام تک رپورٹ چاہیے۔'' خان کے لہجے سے تحکم جھلکنے لگا۔

Akram Allahabadi

"او کے، باس۔ شام تم۔" بالے یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے باقاعدہ ایڑیاں بجا کر اسے سلیوٹ کیا اور باہر نکل گیا۔ خان نے مسکرا کر پھر فائل کی ورق گردانی شروع کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

"ارے، اس میں کون سی لمبی چوڑی بات ہے، شادی مرک ہو گیا ہو گا سالا۔" شوکت نے بالے سے ڈاکٹر جیٹھا کی موت کا واقعہ سننے کے بعد اپنی موٹی سی رائے کا اظہار کیا۔

"تم بڑے غلط سلط الفاظ بولنے لگے ہو۔"

"کائے کو۔ اردو کی چوتھی کتاب میں میں نے خود اپنی آنکھوں سے پڑھا ہے۔"

"گدھے ہو گلِ مرگ پڑھا ہو گا۔"

"میاں خاں تم خد، وہیاں کہ گدھے مدھے۔ گل مرگ کس چڑیا کا نام ہوا؟"

"کشمیر کا نقشہ دیکھ لو، پتہ چل جائے گا۔"

"کشمیر کا نکشا کائے کو، یانی کہ مارا گھٹنا پھوٹ گئی آنکھ۔"

"اچھا، مرنے والوں کی روحیں اگر نیک ہوں تو کہاں جاتی ہیں؟" بالے نے سوال کیا۔

"جنت میں۔" شوکت فوراً بول اٹھا۔

"اور کشمیر کو کیا کہتے ہیں؟" بالے نے پوچھا۔

"ایں؟ تو ہاں..." شوکت سوچتے سوچتے چونک پڑا۔ "ٹھیک تو ہے کشمیر، یانی کہ جنتِ نظیر۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ وہ سلیم الدین بادشاہ جہانگیر نے بھی یہی بتایا تھا۔ یانی کہ اگر فردوس روئے زمین است ہمیں است وہمیں است۔" شوکت نے جہانگیر کا مشہور شعر اپنی زبان میں دہرایا۔

"مطلب کیا ہوا اس کا؟"

''لو اب مطلب وطلب بھی میں بتاؤں۔یانی کہ یاد کرو ہے اور معنی۔''شوکت شعر کا مطلب بتانے کے سوال پر کسی قدر جھینپ کر کر بولا۔

''نہیں بتاؤ گے تو میں تمہیں اوّل درجے کا احمق پھپھوندی سمجھوں گا۔''

''پھپھوند لگے تمہاری زبان کو۔میں نہیں بتاؤں گا،جاؤ۔''

''بتاؤ گے کیسے جانتے ہو تب نا؟''

''کاہے کو نیں جانتا۔میں تو تمہیں بھی جنوا سکتا ہوں کہ اس کا مطلب۔''

''ہاں ہاں،کہو۔''بالے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا۔

''اے لو،اب اتنی سی بات،یانی کہ مطلب صاف تو ہے کہ اگر فردوس یانی زمین روئے تو بچی بات باریک ہے۔''شوکت نے فارسی کے اس شعر کی تشریح کی۔جس پر بالے سے قہقہہ ضبط نہ ہو سکا۔

''ارے واہ،ست ہندی میں بچ کوئی تو کہتے ہیں۔یانی کہ رام نام ست ہے۔اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔''شوکت نے چڑ کر کہا۔لیکن بالے کا قہقہہ اب تک نہیں رکا تھا۔

''تم بھی اسی کی طرح مرو گے،بالے بھائی،اللہ نے چاہا تو۔ہنس لو جتنا جی چاہے۔''شوکت کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

''خیر چھوڑو یہ بحث۔مجھے یہیں اترنا ہے۔''بالے نے گفتگو مختصر کرتے ہوئے شوکت کو ایک جگہ کار روکنے کا اشارہ کیا۔وہ شوکت کی کار پر ہی ڈاکٹر جیٹھا کے بنگلے پر گیا تھا۔ایک گھنٹے کے بعد جب ڈاکٹر کی لڑکی تارا بین اور نوکروں کی بیانات لے کر نکلا تو شوکت اسٹیرنگ پر اونگھ رہا تھا۔پہلے تو اس نے پانچ منٹ کی بجائے ایک گھنٹے میں واپس آنے پر بالے کو اپنی زبان میں خوب سنائیں،مگر جب بالے نے اسے ڈاکٹر جیٹھا کی موت کا واقعہ سنا کر اس کام کی اہمیت کا احساس دلایا تو شوکت کا غصہ کافور ہو گیا۔البتہ شادیٔ مرگ کی بحث ضرور گل مرگ سے ہوتی جہانگیر کے شعر تک آ گئی تھی۔اور شوکت نے اسی میں عافیت سمجھی کہ دو چار بد

دعائیں دے کر پیچھا چھڑا لیا جائے۔

''بالے بھائی، وہ لڑکی کتنی خوبصورت تھی جو تمہیں دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔'' کار روکتے ہوئے شوکت نے ڈاکٹر جیٹھا کی لڑکی نارائین کی تعریف شروع کر دی۔

''انگور کھٹے ہی سمجھو، بیٹے۔'' بالے نے کار سے اترتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا لومڑی ہوں میں؟'' شوکت نے برا مانتے ہوئے کہا۔

''نہیں تو، لومڑی نہیں، لومڑ ہو سکتے ہو۔''

''یانی کیا؟''

''الو کی دم فاختہ۔''

''تم فاختہ کی دم میں الو۔ کام نکل گیا نا؟ سالے پولیس والے ہوتے ہی مطلب خور۔'' شوکت بڑبڑاتا رہ گیا اور بالے اس وقت تک آفس کے دروازے میں داخل ہو چکا تھا۔ اس قسم کی جھڑپیں ان میں روز ہی ہوا کرتی تھیں۔ بالے شوکت کو اتنا ہی ستاتا تھا، جتنا وہ چڑتا، لیکن ان کی دوستی ناقابلِ شکست تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دوسائے

خان ڈاکٹر جیٹھا کی پرائیوٹ لیبارٹری کی تلاشی کی اجازت نامہ حاصل کر چکا تھا۔ حالانکہ اس کے حصول میں اسے کافی دیر لگی تھی، جس کی محض وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر جیٹھا کی موت کو نہ تو بلا کسی ثبوت یا وزنی شکوک کے پراسرار یا غیر قدرتی قرار دیا جا سکتا تھا نہ سرکاری طور پر اسے کسی سازشِ مجرمانہ کا ردِ عمل کہا جا سکتا تھا۔ تفتیش کا حکم تو محض اخبارات کے مطالبے سے مجبور ہو کر کیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں یہ ضروری تھا کہ ڈاکٹر جیٹھا جیسی با اثر شخصیت کے ذاتی اداروں کی تلاشی کے لیے محکمۂ داخلہ سے اجازت حاصل کر لی جائے اور اس وقت خان کو کافی دقت محکمۂ داخلہ کے انڈر سکریٹری کو یہ سمجھانے میں پیش آئی کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے، اس کا مطلب کسی معزز شخص کی ذاتیات کی چھان بین کرنا نہیں، بلکہ یہ صرف تصدیق کرنا ہے کہ ڈاکٹر کی موت کہیں کسی سازش یا کسی اور کے پیدا کردہ حالات کا سبب نہیں ہے۔ بالے کار میں خان کے پاس والی نشست پر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے اس کیس میں شدت سے بوریت محسوس ہو رہی تھی، مگر حکمِ حاکم مرگِ مفاجات کے حسبِ مصداق یہ پھیکے گھونٹ بھی پینے ہی پڑتے۔ یہ خان کی ہی شخصیت تھی جو وہ رات ہو جانے کے باوجود اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ محکمۂ داخلہ کے اعلیٰ حکام بھی اس کی صلاحیتوں پر بھروسہ کرتے تھے۔ ورنہ پہلے پہل تو انڈر سکریٹری نے اسے سرے سے کوئی قابلِ تفتیش کیس تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ ایک سوال دیر سے بالے کے کھوپڑی میں اچھل کود کر رہا تھا اور بالآخر وہ پوچھ ہی بیٹھا۔

''آخر اتنی جلدی بھی کیا تھی؟ کیا اجازت نامہ کل صبح نہیں حاصل کیا جا سکتا تھا؟''

اس نے سوال کیا۔

Akram Allahabadi

''مجھے شبہ ہے کہ پھر بھی کافی تاخیر ہوگئی ہے، ممکن ہے میرا خیال سرے سے غلط بھی نکلے، لیکن اگر وہ کسی حد تک بھی صحیح ہوا تو اس تاخیر سے معاملات کافی الجھ جائیں گے، بالے صاحب۔'' خان نے کار کی رفتار تیز رکھ کر ونڈ اسکرین کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور آپ کا وہ خیال شریف کیا ہے؟''

''خود چل کر دیکھ لینا۔''

''آپ شاید اس لیے بتانا چاہتے کہ وہاں جو کچھ نظر آئے گا، اسی کے لیے کہہ دیں گے کہ یہی میرا خیال تھا۔'' بالے نے فقرہ چست کیا۔

''بہت عقل مند ہوتے جا رہے ہو ان دنوں۔''

''آپ کی ماتحتی میں۔ اچھا یہ تو بتا دیجیے کہ بابا حرام موہنچھ نے ایسی کونسی رپورٹ فراہم کر دی جس سے آپ کو ڈاکٹر کی لیب کی تلاشی کا خیال پیدا ہوا؟''

''باقی تمام رپورٹ بیکار تھی، سوائے ایک جملے کے۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً یہ کہ ڈاکٹر اپنے بیان کے مطابق عنقریب کوئی انکشاف کرنے والا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''لیکن مجھے تو ڈاکٹر کی لڑکی نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی۔''

''یہ ضروری نہیں کہ ڈاکٹر اپنے کام کے پروگراموں سے گھر والوں کو بھی آگاہ رکھتا ہو۔''

''مگر اس نے تو یہ کہا تھا کہ ڈاکٹر کی نہ تو کسی سے کوئی گہری دوستی تھی نہ کسی سے دشمنی اور گھر کے نوکر بھی سب بھروسے کے آدمی ہیں۔''

''بالے صاحب، یہ کام کسی نوکر وغیرہ کا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو کسی عقلمند دماغ کی ہی تحریک ہو سکتی ہے۔''

Akram Allahabadi

''کیا انکشاف کرنے والا تھا وہ؟'' بالے نے سوال کیا۔

''اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا سکتا ہے، کیونکہ ڈاکٹر نے اس سے زیادہ کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔''

''جس آدمی نے یہ الفاظ کہے تھے...'' بالے نے کہنا چاہا۔

''اس کا نام ڈاکٹر رحمن ہے اور وہ ڈاکٹر جیٹھا کا پرانا اسسٹنٹ ہے۔ اس راز کو ڈاکٹر جیٹھا نے اس سے بھی چھپایا تھا۔ البتہ اتنا ہی وہ اسے بتا سکے تھے کہ عنقریب ایک اہم اور عجیب انکشاف کرنے والے ہیں۔''

''تو کیا ڈاکٹر رحمن کی شخصیت مشتبہ نہیں ہو سکتی؟''

''میری فہرست میں شبے کے لائق وہ آخری آدمی ہے۔ بہر حال یقینی طور پر ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''لیجیے، وہ سامنے رہی ڈاکٹر کی لیب۔''

''ہُم۔'' خان نے یہ کہتے ہوئے کار لیبوریٹری کے عقبی حصے کی گلی میں داخل کر دی۔ اس وقت رات کے ساڑھے سات بج چکے تھے۔ موسمِ سرما کی راتیں ان دونوں سرِ شام سے ہی خنک ہونی شروع ہو جاتی تھیں اور اس وقت تو سرد ہوا کے تھپیڑوں نے سردی اور بڑھا دی تھی۔ خان اور بالے دونوں سادہ گرم سوٹ پہنے تھے۔ ان کے فلیٹ ہیٹس کے اگلے سرے پیشانیوں پر جھکے ہوئے تھے اور کار سے اترتے وقت وہ اس قدر محتاط تھے کہ گلی کے موڑ پر کھڑا ہوا وہ آدمی بھی انھیں نہ دیکھ سکا جو شاید کسی ٹیکسی کا منتظر تھا۔

''آپ شاید داخل بھی پچھلے دروازے سے ہوں گے؟'' بالے نے خان سے پوچھا۔

''مجھے شک ہو رہا ہے کہ گلی کے موڑ پر کھڑا ہوا آدمی اس عمارت کی نگرانی کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اندر بھی معاملات کچھ کے کچھ نکلیں۔''

''ایسا خیال آپ کو کیوں ہوا؟''

''میں دوپہر کے وقت بھی اس طرف سے عمداً گزرا تھا اور اس وقت میں نے اس آدمی کو سامنے والے یہودی کے ہوٹل میں دیکھا تھا۔''

''مگر اس کا تو کوئی عقبی دروازہ بھی نظر نہیں آرہا۔''

''ہم ان بند کھڑکیوں کے چھجوں اور کارنس کی مدد سے اس اوپر والے برآمدے تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور پھر یقیناً ہماری منزل آسان ہو جائے گی۔''

''تو لیجیے میں چلا۔'' یہ کہہ کر بالے نے ایک جست کی اور ایک کھڑکی کا اوپر کا چھجہ (سائبان) تھام کر جمناازم کے کسی ماہر کی طرح قلابازی کھا کر اس کے اوپر پہنچ گیا۔

''ویل ڈن، بوائے۔'' خان کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور دوسرے لمحے بالے کارنس پر پنجے جمائے اوپری منزل کی کھڑکی کا چوکھٹ تھامتا ہوا نصف کھلے برآمدے کی طرف کھسک رہا تھا۔ تیسری جست میں وہ اوپری برآمدے میں پہنچ گیا۔ مگر جب اس نے مڑ کر دیکھا تو خان اس کے پاس ہی پیچھے موجود تھا۔

اس برآمدے میں نچلی منزل کی سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھیں۔ لیکن نیچے ان کا دروازہ بند تھا۔ ''اوہ، یہ بہت آسان ہے۔'' بالے نے جیب سے ایک چھوٹا سا اسکرو ڈرائیور نکالتے ہوئے کہا۔ ''ایمیلیا اور کندوں والے دروازے کو اسکرو نکال کر کھول لینا کوئی بات ہوئی۔'' وہ ایمیلیا کے پچھلے اسکرو ڈھیلے کرتے ہوئے بڑبڑایا۔

''لیکن یہ دروازہ اس طرح سے کیوں مقفل ہے؟'' خان سوچنے لگا۔

''شاید آپ سوچ رہے ہیں کہ کوئی اور بھی صرف اسی راستے کو استعمال کر رہا ہے اور یہ قفل اسی کا ڈالا ہوا ہے۔'' بالے نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے، بشرطیکہ دوسری طرف ہمیں دروازے کا تالا بیکار حالت میں ملے۔''

دروازہ آسانی سے کھول لیا گیا اور خان کا خیال درست نکلا۔ اندر دوسری طرف سے کنڈی لگی ہوئی تھی جسے طاقت سے موڑ کر ٹیڑھا اور بیکار کر دیا گیا تھا۔

''خوب۔تو اس پر ہمیں فنگر پرنٹس بھی مل سکیں گے اور غالباً دروازے پر بھی۔'' خان بڑبڑایا۔

''میں دیکھ...'' بالے کہنا چاہتا تھا کہ خان نے اچانک اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ملحق بڑے کمرے سے جو شاید لیبورٹری کا کارخانۂ عمل تھا، کسی کھٹکے کی آواز نے انھیں چونکا دیا تھا۔خان پھرتی سے فرش پر لیٹ گیا۔ایک کان فرش پر جما کر آہٹ لینے لگا، مگر ایک منٹ بعد ہی وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ممکن ہے کوئی چوہا ہی رہا ہو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی پین ٹارچ روشن کر لی اور اس کی روشنی کے محدود دائرے میں آگے بڑھنے لگا۔بالے بھی پنجوں کے بل اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

بڑا کمرہ باہر سے بند تھا، لیکن مقفل نہیں تھا۔اسے تھوڑا سا کھول کر پہلے خان نے اندر جھانکا پھر آہٹ لینے کے بعد اندر داخل ہو گیا۔کمرہ تاریک تھا اور یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ برقی روشنی کے سوئچ کون سے دروازے کے نزدیک ہوں گے۔

اچانک خان کو ٹھوکر لگی اور گرتے گرتے بچا۔اس نے پھر ٹارچ روشن کر لی۔ان کے سامنے کمرے کی ہر چیز بے ترتیبی سے پڑی تھی۔شیشے کے بہت سے آلات جن میں ٹیوب اور مرتبان تک شامل تھے، ٹوٹے ہوئے فرش پر پڑے تھے۔میزیں الٹی ہوئی تھیں اور ان کی درازیں باہر نکل پڑی تھیں کرسیاں بھی الٹی پڑی تھیں۔

''شاید یہاں کوئی ہنگامہ ہوا ہے۔'' بالے نے رائے زنی کی۔

''نہیں، بلکہ جلدی جلدی سے اس مقام کی چند آدمیوں نے تلاشی لی ہو گی اور وہ محتاط ہونے کی بجائے غصہ و جوش کی کیفیت میں رہے ہوں گے۔''

''یہ کس طرح؟''

''دیکھو یہ قدموں کے نشانات۔میرا خیال ہے وہ صرف دو ہی آدمی تھے اور یہ تو کسی

ننگے پیر رہنے کے عادی آدمی کے پیروں کے نشانات معلوم ہوتے ہیں۔انگوٹھے اور انگلیاں کیسی پھیلی ہوئی ہیں۔''خان نارچ کی روشنی میں ان نشانات کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑایا۔

''اور ہنگامے کا امکان کیوں نہیں؟''

''ایسی صورت میں بعض قدم پھیلے ہوئے معلوم ہوتے،بعض نصف،بعض آڑے ٹیڑھے۔''خان نے بتایا۔

وہ دیر تک ان دروازوں اور دوسرے سامان کی تلاشی لیتے رہے۔اس کے باوجود کہ بالے نے سوئچ بورڈ دریافت کرلیا تھا،خان نے اسے روشن کرنے سے منع کردیا۔وہ بغیر کسی قسم کا شور کے کمرے کی تلاشی لیتے رہے تھے۔اسی کمرے سے ملحق ایک دوسرا کمرہ بھی تھا،جس میں ایک الماری،ایک میز اور ایک کتابوں کا سیلف رکھا تھا۔ممکن ہے یہ ڈاکٹر جیٹھا کا پرائیوٹ روم رہا ہو۔اس کا لاک آٹو میٹک تھا،لیکن اسے توڑ کر بیکار کیا جاچکا تھا۔

''شاید وہ لوگ کل اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے۔''خان نے ایک جگہ تھم کر چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔

''کل رات کیوں؟''

''یہ کام صرف کافی رات گئے ہی کیا گیا ہوگا،ورنہ یہ مقام اس قدر سونا نہیں کہ دن دہاڑے یا شام ڈھلے کوئی ایسی حرکت کی جاسکے،جس میں چیزوں کی اٹھا پٹک کا شور بھی شامل ہو،بلکہ اندازاً یہ کام اس یہودی کے ہوٹل کے بند ہونے کے کم ازکم دو گھنٹے بعد،یعنی ایک بجے ہوا ہوگا۔''خان ایک کرسی پر پیر ٹیکتے ہوئے کھڑا ہوکر بڑبڑایا۔وہ اتنے آہستہ لہجے میں گفتگو کررہے تھے کہ ان کی آوازیں کمرے کے باہر تک نہ سنائی دے سکیں۔

''وہ ناکام کیوں رہے ہوں گے؟''بالے سوال کرنے سے باز نہ آیا۔

''اوپری زینے پر دوسری طرف پڑا ہوا تالا بتاتا ہے کہ وہ اس راستے سے پھر آئیں گے اور کوئی دوسرا اگر اسی راستے پر آبھی جائے تو تالا توڑنے کا شور،باہر کھڑے ہوئے ان کے

نگران آدمی تک سنائی دے سکے گا۔ ویسے سادا سا جواب یہ ہے کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے ہوتے تو آج باہر سے انھیں عمارت پر نگرانی رکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔"

"آپ کئی سو میل گی گھنٹہ کی رفتار سے سوچ رہے ہیں۔"

"بیٹے، کہو تو یہاں تک بتا دوں کہ اندر آنے والوں میں سے ایک کوئی اچھے قسم کا شہری باشندہ اور دوسرا کوئی جنگلی یا دہقانی آدمی رہا ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک سفید فام رہا ہو۔"

"اب رنگ بھی معلوم کر لیا آپ نے؟"

"زبردستی کا رنگ جہاں جہاں قدموں کی نشانات ملے ہیں وہاں تھوڑی تھوڑی سیاہ پاؤڈر کی کالک بھی پائی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی سفید جلد والے نے اپنی رنگت کو چھپانے کے لیے بدن پر کسی روغن کے ساتھ سیاہ پاؤڈر ملا ہوگا۔ نشانات روغنی آمیزش کی وجہ سے اور نمایاں ہو گئے ہیں۔"

"آپ اگر میری پیری مریدی کرتے تو شاید شکل دیکھ کر دلوں کا مدعا بھی بیان کر دیتے۔"

"شش..." خان نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، پھر وہ ٹارچ بجھا کر باہر نکل آئے، لیکن کھٹکا کسی چوہے وغیرہ کا ہی رہا ہوگا۔ عمارت میں بدستور سناٹا طاری تھا۔

"سوال یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس کی انھیں تلاش ہے۔" خان ذہن پر زور دیتے ہوئے بڑبڑایا۔

"جو کچھ بھی ہو، مگر ڈاکٹر کو شاید اسی کی خاطر موٹ کے گھاٹ اتارا گیا ہوگا۔"

"ہُم۔ کچھ سوچنے لگے ہو۔"

"جی نہیں، خاکسار تو پرلے درجے کا گدھا ہے۔"

"خیر، یہ تمہاری کسرِ نفسی ہے۔" خان نے مسکرا کر اسے لاجواب کر دیا۔

Akram Allahabadi

''اوران چیزوں کا ڈاکٹر کے عجیب انکشاف سے بھی تعلق ہوگا جو بدقسمتی سے گول ہی رہ گیا۔''بالے نے مزید قابلیت جتانے کی کوشش کی۔

''یہ تو موٹی سی بات ہے۔''

''میری عقل دبلی پتلی واقع ہوئی ہے۔''بالے نے جل کر کہا۔

''تم کو ایک بار پھر اسی راستے پر باہر جانا پڑے گا۔اس کار کو آگے لے جا کر دوسری کراس میں کھڑی کر دو۔ہمیں شاید نصف شب سے زیادہ دیر ان کا انتظار کرنا پڑے۔''

''کام خطرناک ہے،میرے بال بچوں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟''

''دفع ہو جاؤ،مردود،لیکن اگر دیکھ لیے جاؤ تو دوبارہ یہاں آنے کی بجائے کار میں ہی راہ لو۔دیکھو،بلکہ میرا تو خیال ہے کہ تم باہر سے ہی اس آدمی پر نظر رکھو اور جس وقت کسی کو اس عمارت میں داخل ہوتا دیکھو تو کتے کے بھونکنے کی آواز میں مجھے سگنل دے دینا۔''

''ہائے رے میری اوقات کیا کسی کتیا کا بھی بندوبست ہو سکے گا؟''بالے نے سرد سانس کھینچ کر کہا،لیکن اس سے قبل کہ اس کے کان اینٹھے جاتے وہ اوپری زینے تک پہنچ چکا تھا۔

سرد رات کی تاریکی اور گہری ہو چکی تھی اور شہر کا گھڑیال ابھی ابھی ساڑھے ۱۲ کا ایک گھنٹہ بجا کر خاموش ہوا تھا کہ دولرزتے سائے ایک لنگر نما شے کی مدد سے ڈاکٹر جیٹھا کی لیب کے عقبی اوپری برآمدے کے جنگلے سے ایک رسی لٹکا کر اوپر چڑھنے لگے۔ٹھیک اسی وقت کوئی آوارہ گرد کتا سڑک پر بھونکنے لگا۔وہ سائے ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے پھر جست کر کے برآمدے میں کود گئے۔ان کے اوپر جاتے ہی ایک تیسرا سایہ گلی کے موڑ سے نکلا اور اسی رسی کے نزدیک آ کر رک گیا۔اس نے جیب سے لائٹر نکال کر جلایا اور رسی کے لٹکے ہوئے نچلے سرے میں آگ لگا دی۔رسی آہستہ آہستہ جلنے لگی۔پھر وہ اطمینان سے جیبوں میں ہاتھ ڈالے ٹہلتا ہوا عمارت کے گرد چکر لگانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

فرار

خان کے کان فرش پر ہی لگے تھے اور اسے آہستہ چلتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ زینے کا دروازہ کھلتے ہی روشنی کی ایک باریک سی لکیر اندھیرے کا سینہ چیرتی نظر آئی پھر وہ پھیلتی گئی اور دروازہ کھلتا گیا۔ دو سائے اندر داخل ہوئے تھے اور خان بڑے آرام سے اس کمرے کے اس صوفے پر لیٹا ہوا تھا جو بڑے روم کے سامنے بچھا تھا، راستے سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے کسی کا اس طرف دھیان بھی جاتا تو اس کے تکیے کی اوٹ میں لیٹا ہوا آدمی نظر نہ آتا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے لیب روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے پھر خان نے اس کمرے میں نارچ کی روشنی پھیلتی دیکھی۔ وہ بھی کمرے کی برقی روشنی آن کیے بغیر اپنا کام کر رہے تھے اور خان کی نگاہیں دروازے کے کی ہول سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ خان نے دیکھا ان لوگوں نے گرے پڑے سامان کو ہاتھ نہیں لگایا۔ وہ دونوں سیاہ فام تھے۔ ایک کا قد اوسط اور دوسرے کا قد لمبا تھا، جن کے تلوں میں کریپ لگا ہوا تھا اور غالباً خان نے اسی کریپ سول کی (solar) کی مہر قدموں کے نشان میں دیکھ کر ہی یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ کوئی اچھے قسم کا شہری باشندہ ہوگا، کیونکہ سولا روالے کریپ شوز کافی مہنگے ہوتے تھے اور انھیں زیادہ تر غیر ملکی نوجوان یا صاحب حیثیت ہندوستانی ہی پہنتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

ان میں سے ایک باہر کھڑا رہا، دوسرا اس دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا، جسے خان ڈاکٹر کی پرائیوٹ نشست گاہ سمجھا تھا۔ چند منٹ تک اس کمرے سے معمولی شور کی آوازیں

آتی رہیں، جیسے میز کی درازیں کھولی بند کی جارہی ہوں۔پھر جیسے کوئی الماری کوتوڑ کر کھولنے کی کوشش کررہا ہو۔بالآخر تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ آدمی اس کمرے سے باہر نکلا۔

''مل گیا۔''اس نے باہر نکلتے ہی پرمسرت لہجے میں ساتھی سے کہا۔خان نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا لکڑی کا بکس تھا، جسے اس نے اب بغل میں دبالیا۔پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے دروازے پر آئے، خان اسی وقت تک پیچھے ہٹ کر پھر صوفے کی آڑ میں ہو چکا تھا۔وہ اپنا کام ختم ہونے کے بعد اب بہت تیزی سے واپس لوٹ رہے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ اگر وہ زینے کا دروازہ باہر اوپر سے بند کردیتے تو خان کو عمارت کے سامنے والے حصے سے نکلنا پڑتا، مگر ایسا نہیں ہوا۔کام ختم ہوجانے کے بعد شاید انھوں نے اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔وہ دروازے کو کھلا چھوڑ کر برآمدے میں پہنچ گئے۔ان میں سے ایک وہیں کھڑا رہا اور دوسرا لمبے قد والا رسی تھام کر نیچے اترنے لگا، مگر فوراً ہی خان نے کسی کی چیخ سنی اور پھر دوسرے کو، وہ جو بکس بغل میں دبائے اوپر ہی کھڑا تھا، گھبرا کر اوپر سے نیچے چھلانگ لگا کر خطرے کا احساس کیے بغیر نیچے کودا تو دو سائے دوڑتے ہوئے گلی کے موڑ تک پہنچ چکے تھے اور بالے ان کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔اس نے پستول نکال کیا تھا اور چیخ رہا تھا۔

''ٹھہر جاؤ، ورنہ گولی ماردوں گا۔''

البتہ شاید فائر وہ اس لیے نہیں کرسکا کہ خان نے اس کے لیے اسے ہدایت نہیں دی تھی۔ایسے موقعوں پر خان کو اگر کسی کوندتی بجلی سے تعبیر کیا جاتا تو کم نہ تھا۔وہ ہوا کے ایک جھونکے کی طرح بالے کے قریب پہنچ گیا۔

''فائر کردوں؟''بالے نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''صرف ٹانگ پر۔''

مگر دوسرے لمحے انھیں خود چونک کر دیوار کی آڑ لینی پڑی، ورنہ بھاگتے ہوئے آدمیوں میں سے ایک کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی دو میں سے ایک کو تو بے خیالی میں نقصان

پہنچا دیتی۔ جواب میں خان اور بالے نے ایک ساتھ ان پر فائر کیے اور یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی گولی نشانے پر لگی، لیکن آگے بھاگنے والا اوسط قد آدمی فوراً بعد میں ہی لڑکھڑا کر سڑک پر گر پڑا۔ گولی بھی شاید اسی نے چلائی تھی۔ خان نے اس کے ساتھ ہی دوسرے دراز قد آدمی کو بھی گرتے دیکھا، لیکن دوسرے لمحے ہی وہ آدمی پہلے آدمی کے ہاتھوں سے وہ بکس چھین کر سڑک پر اس تیزی سے دوسری طرف لڑھکتا چلا گیا، جیسے کوئی بیلن تیزی سے ڈھلوان کی طرف لڑھکے۔

زخمی اوسط قد آدمی کے ہاتھ میں اب بھی ریوالور تھا۔ اس نے خان اور بالے کے سائے سر پر آتے دیکھ کر پھر فائر شروع کر دیے اور ایک بار ان دونوں کو پھر رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ بہر حال خان نے اس وقت بھی بالے کو یہی ہدایت کی گولی اس آدمی کے اس طرح نہ لگے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ اس کا زندہ پکڑا جانا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ بالے محض جواب دینے کی خاطر وہیں رک کر نشانے سے علیحدہ اس پر فائرنگ کرنے لگا۔ اور اسے اس طرح الجھا کر رکھنے کے بعد خان دو جستوں میں سڑک کے پار پہنچ گیا۔ پھر بھی انھیں تاخیر ہو گئی۔ سڑک پر شاید پہلے سے ایک سرکاری کھمبے کا روشنی کا بلب توڑ دیا گیا تھا اور اس کے پیچھے اندھیرے میں ایک لمبی سیاہ رنگ کی لمبی اطالوی کار 'لالسینا' کھڑی ہوئی تھی، جو خان کے پہنچنے سے پہلے ہی اسٹارٹ ہو کر تیزی سے چل پڑی۔ خان جب تک اپنی کار کے نزدیک پہنچا، لالسینا اس سڑک کو عبور کر چکی تھی اور خان جانتا تھا کہ اس کی گاڑی کسی صورت لالسینا کو رفتار میں نہ مار سکے گی۔ اس نے اپنی کار میں آ کر وائرلیس سیٹ آن کر کے پولیس کنٹرول کو کال کرنا شروع کر دیا۔ یہ بھی مجرموں کی خوش نصیبی تھی کہ آپریٹر نے کال دیر میں رسیو کیا۔ بہر حال خان نے اسے ہدایت کر دی کہ آل الرٹ کال نشر کر کے تمام پولیس اسٹیشنوں اور گشتی یونٹوں کو خبر کر دی جائے کہ وہ ایک سیاہ رنگ کی لالسینا کو جہاں ملے روک لیں اور اس کے اندر موجود آدمیوں یا آدمی کو گرفتار کر لیں۔

اس بات کے بعد جب وہ بالے کے پاس آیا تو زخمی اوسط قد کا آدمی بے ہوش ہو چکا تھا۔

''ڈالو اسے کار میں۔''

''کیا نکل گیا وہ؟'' بالے نے پوچھا۔

''مشکل ہے اسے پالینا، لیکن تم بڑے احمق ہو۔''

''ثبوت؟''

''اس رسی میں آگ یقیناً تم نے ہی لگائی ہوگی؟''

''تاکہ انھیں بھاگنے میں آسانی ہو۔''

''کیا میں انھیں اندر ہی گرفتار نہیں کر سکتا تھا۔ میں تو دراصل ان کا تعاقب کر کے اس پورے چکر کا سراغ لگانا چاہتا تھا۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ میں نے عقل مندی کی ہے۔''

''یہ آدمی بھی شاید ہمارے کام آسکے۔''

''کیوں؟ یہ تو صرف بیہوش اور زخمی ہے اور گولی بھی پیر میں ہی لگی ہے۔''

''وہ دوسرا آدمی بکس چھیننے کے علاوہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ کر کے گیا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''شاید اتنی جلدی سمجھ میں نہ آسکے۔ بہر حال پہلے اسے یہاں سے لے چلو۔''

☆☆☆☆☆☆

سٹی سول اسپتال میں ایمرجنسی وارڈ کے تین نمبر بیڈ پر جسے تین طرف سے سفید چادروں سے گھیر دیا گیا تھا، وہ زخمی آدمی پڑا ہوا تھا۔ اس کے داہنے پیر میں پنڈلی کو چھیدتی ہوئی گولی نکل گئی تھی۔ کچھ صدمہ پنڈلی کی ہڈی کو بھی پہنچا تھا۔ وہ اب تک بیہوش تھا، لیکن خان کے

Akram Allahabadi

شبے کی تصدیق ہو چکی تھی۔اس کے چہرے پر جب نرس نے گرم پانی میں بھجایا ہوا تولیہ رگڑا تو اس کا رنگ سرخی مائل سفید نکل آیا۔اسی طرح اس نے دونوں ہاتھ اور گھٹنوں تک پیر بھی سیاہ کر رکھے تھے۔لیکن کپڑوں سے ڈھکا ہوا باقی جسم سفید ہی تھا۔

''کوئی یوروپین معلوم ہوتا ہے۔''ڈاکٹر سید نے جو بالعموم رات کے وقت ہنگامی ڈیوٹی پر آجایا کرتے تھے، زخمی مریض کے سرہانے کھڑے ہوئے قیاس آرائی کی۔وہ اس کی پنڈلی سے گولی نکال کر ڈریسنگ کر چکے تھے۔خان کے فون پر آپہنچنے والا پولیس فوٹو گرافر اس کے فوٹو بھی لے چکا تھا۔

''اوہاں۔''خان اس کے ایک بازو کو اوپر تک ننگا کر کے اس کی مچھلی پر گدے ہوئے ایک لنگر کے نشان کو دیکھنے میں منہمک تھا۔''یہ ضرور یا تو کوئی سی مین (ملاح) ہے یا رہ چکا ہے۔''وہ بڑبڑایا۔

''نرس، اسے ہوش میں آتے ہی ہمیں فوراً خبر کرادو، اور دیکھو، یہ ایک خطرناک سرکاری مجرم ہے اس کا خیال رکھنا۔''ڈاکٹر سید اپنا اسٹیتھسکوپ جیب میں ڈالتے ہوئے نشست سے اٹھ کر بولا۔

''او کے، سر۔''نرس نے اپنی شیریں آواز میں جواب دیا۔

خان، بالے اور ڈاکٹر سید تینوں وارڈ سے نکل کر ڈاکٹر کے آفس میں آگئے۔

''یہ آخر ہے کیا چکر؟''ڈاکٹر نے خان سے پوچھا۔

''ابھی تک کوئی فیصلہ کن نظریہ نہیں قائم کر سکا ہوں، پھر کبھی بتاؤں گا، لیکن اگر مریض کسی طرح جانبر نہ ہو سکے تو اس کی موت کی اطلاع بھی اسپتال سے باہر نہ جانی چاہیے۔'' خان نے ڈاکٹر سے کہا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں، زخم مہلک تو ہے نہیں جو فکر کی جائے۔''

''نہیں مجھے کسی اور بات کا بھی شبہ ہے۔''

Akram Allahabadi

''کس بات کا؟''

''پہلے سے کہہ دینا میں مناسب نہیں سمجھتا، بہرحال اسی شے پر تمام کیس کا دارومدار ہے۔''

''نہ بتایئے، آپ پولیس والے ٹھہرے۔'' ڈاکٹر سید نے طنز کیا۔

''یہ بات نہیں، بلکہ ممکن ہے اس کے غلط ہو جانے پر مجھے سبکی محسوس ہو۔ اس لیے میں پہلے اپنے تئیں اطمینان کر لینا چاہتا ہوں۔'' خان نے مسکرا کر جواب دیا۔ ڈاکٹر سید نے اس کے بعد اس سلسلے میں مزید کچھ جاننے پر اصرار بھی نہیں کیا۔

ایک گھنٹے تک انتظار کرنے کے باوجود جب مریض کو ہوش نہیں آیا تو خان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر سید سے یہ فرمائش کر کے کہ اس مریض کو ایک علیحدہ وارڈ میں جہاں صرف اس کا بیڈ ہو منتقل کر دیا جائے اور روف کو اس کی نگرانی پر مع دو کانسٹیبلوں کے مقرر کر کے وہ باہر نکل آئے۔ خان نے فوٹو گرافر کو بھی ہدایت کر دی تھی کہ مجروح آدمی کی تصویر کی کم از کم تین کاپیاں کسی طرح بھی اسے صبح ۹ بجے تک مل جانی چاہئیں۔

گہرے نیلگوں آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے اور فضا پر گہرا سکوت مسلط تھا۔ وہ دستانے ساتھ نہیں لائے تھے، اس لیے انھیں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر چلنا پڑا۔ سردی اب اس قدر بڑھ چکی تھی کہ بدن کے کھلے حصوں پر برف سی جمتی معلوم ہو رہی تھی۔ کار میں بیٹھ کر خان نے کھڑکیوں کے شیشے چڑھوا دیے۔

''اب سند باز کون سا سفر کرے گا؟'' بالے نے دونوں ہاتھ تیزی سے مل کر ہتھیلیوں کو گرم کرتے ہوئے پوچھا۔

''سفرِ آخرت کیسا رہے گا؟''

''خدا آپ کو مبارک کرے، مجھے تو ابھی اپنے بتیلوں کی توسیع کرنی ہے۔''

''میں نے ڈیسوزا کو فون کر کے ڈاکٹر جیٹھا کی لیب پر نگرانی قائم کرا دی ہے، بہتر

ہو گا کہ تم زینے والے دروازے کی لٹکنی اور دروازوں پر فنگر پرنٹس صبح سویرے ہی لے لو۔''

''یعنی سویرے سویرے ہی بھاگنا پڑے گا؟''

''ذمے داری جو ٹھہری۔''

''زمینداری تو کبھی کی ختم ہو چکی۔''

''بکو مت۔''

''ہائے زمانے، زور آور سنگھ مارے اور رونے بھی نہ دے۔''

گھر پہنچ کر سب سے پہلے خان نے ڈیسوزا کو ہی ٹیلی فون کیا۔ وہ بیچارہ اپنے بستر کے سرہانے فون رکھے کسی ایسی مصیبت کا انتظار ہی کر رہا تھا۔

''پولیس فوٹو گرافر سے سول اسپتال کے زخمی آدمی کا فوٹو لے کر ڈاک ایریا میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔'' خان نے اسے حکم دیا۔

''ڈاک ایریا میں؟'' ڈیسوزا نے پوچھا۔

''ہاں۔ اس کے بازو پر لنگر کا نشان ہے اور وہ کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ بین الاقوامی ملاحوں کے کلب میں کسی نہ کسی سے ضرور اس بارے میں آپ کو کچھ سراغ مل سکے گا۔'' خان نے کہا۔

''بہتر ہے۔'' ڈیسوزا نے جواب دیا اور خان نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

''بالے۔'' خان نے پلٹ کر بالے کو پکارا، لیکن وہ صوفے پر ہی گر کر خراٹے لینے لگا تھا۔ اس نے ایک آنکھ کھول کر دیکھا تو خان اب اپنے ڈریسنگ روم میں جا رہا تھا۔ اس کے اندر جاتے ہی بالے اٹھ کر دوڑتا ہوا اپنے روم میں داخل ہو گیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے جوتوں سمیت بستر میں جا گھسا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ڈاکٹر جیٹھا کی پراسرار موت نے تو اخبارات کو چونکا ہی تھا، لیکن پولیس ہیڈ کوارٹرز سے جاری کی جانے والی گزشتہ شب ڈاکٹر جیٹھا کی لیب میں چوری کی خبر نے پبلک میں اور دلچسپی پیدا کردی۔ ویسے خبر میں صرف اتنا ہی بتایا گیا تھا کہ گزشتہ شب ڈاکٹر کی پرائیوٹ لیبوریٹری میں دو چور عقبی راستے سے داخل ہوئے تھے، لیکن پولیس کی بروقت آمد نے انھیں ان کے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ ان میں سے ایک فرار ہوتے ہوئے پولیس کی گولی زخمی ہوگیا اور دوسرا بہر صورت فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ لیب سے کیا چرانا چاہتے تھے، نہ ہی زخمی ہونے والے چور کی شناخت ہوسکی، کیونکہ چار گھنٹے تک اسپتال میں بیہوش رہنے کے بعد جب سے وہ ہوش میں آیا ہے تو پاگلوں جیسی حرکتیں کررہا ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ شاید مجروح ہوکر گرتے وقت اس کے دماغ پر شدید قسم کی اندرونی چوٹ آئی ہے، یا ممکن ہے کوئی اور سبب ہو۔ اسے بہر حال ابھی تک اسپتال میں زیرِ علاج رکھا گیا ہے۔ پولیس کا خیال ہے کہ وہ معمولی قسم کا چور ہے۔

لیکن پولیس کی اس تشریح پر لوگوں کو یقین نہیں آیا۔ وہ ڈاکٹر کی پراسرار موت سے ہی اس چوری کو وابستہ کرنے لگے۔ خان جب آفس پہنچا تو ڈی سی پی اس کا منتظر تھا۔ اس نے فوراً بلا وا بھیجا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا، خان صاحب، کہ آپ نے اس واقعے کو اس قدر معمولی کیوں قرار دے رہے ہیں؟'' اس نے پولیس رپورٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اسے اگر غیر معمولی قرار دیا جاتا تو ہمارا کام اور مشکل ہوجاتا۔''

''مجرموں کو دھوکے میں رکھنے کے لیے ایسا کرنا خلافِ مصلحت نہیں ہے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ اخبارات اس کیس میں کتنی دلچسپی لے رہے ہیں؟'' ڈی سی پی نے سوال کیا۔

''میں اپنا جواب دے چکا۔ اب آپ جس طرح چاہیں کیجیے، آپ میرے سپریئر ہیں۔'' خان کا لہجہ اکتایا ہوا سا تھا۔

''میں سمجھتا ہوں، خیر۔'' ڈی سی پی مسکرائے۔ ''لیکن ہمیں وزارتِ داخلہ کو بھی تو جواب دینا ہوگا۔''

''آپ اس کی فکر نہ کریں، وہ میں دے لونگا۔ آپ کسی بھی ایسے سوالنامے کو میرے نام منتقل کر دیجیے گا۔''

''اچھا، لیکن ویسے اس کیس اور رات کے واقعات سے کیا نتائج اخذ کیے ہیں آپ نے؟''

''یہ قطعی قدرتی موت کا کیس نہیں ہے۔ ڈاکٹر جیٹھا کو کسی پراسرار ذریعے سے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے اور وہ کیا ذریعہ ہوسکتا ہے، میں بہت جلد ڈھونڈ نکالوں گا۔''

''لیکن ڈاکٹروں کی رائے تو مختلف ہی ہے۔ حالانکہ ایسا ذریعہ کوئی زہر یا سائنسی شعبدہ ہی ہوسکتا ہے۔ اسے کوئی مرض یا کسی کیمیکل کا ردِعمل قرار دینے کو تو تیار ہی نہیں ہیں۔''

''ممکن ہے حقائق ان نظریات کے برعکس اور حیرتناک نکلیں۔ بہرحال مجھے ان کے تلاش کے لیے وقت دیجیے۔''

''رات کے واقعے سے کیا روشنی پڑسکی ہے اس پر؟'' ڈی سی پی نے سوال کیا۔

''صرف اس قدر کہ جس چیز کے لیے ڈاکٹر کا خون کیا گیا ہے، وہ اسی لیبوریٹری میں موجود تھی اور پچھلی رات اس کی تلاش میں ناکام رہنے کے بعد گزشتہ شب انھوں نے پھر وہی کوشش کی تھی جس میں بہرصورت وہ کامیاب ہوگئے۔ اب ہمارے ہاتھ صرف وہ پاگل ہی رہ گیا ہے۔ بشرطیکہ کسی طرح دماغ اصلی حالت میں لوٹایا جاسکے۔''

''کہیں وہ جان بوجھ کر تو پاگل نہیں بن گیا ہے؟''

''جی نہیں۔ اس کی حرکات وسکنات کا بغور مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس میں تصنع کی جھلک نہیں نظر آتی۔ اور پاگل پن بھی کیا، وہ آپ سے ہنسنے لگتا ہے اور ہنستے ہنستے قہقہے لگانے لگتا ہے۔''

''اوہ،تو آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی کہیں ڈاکٹر جیٹھا جیسا کیس نہ ہو۔''

''تقریباً۔''خان مسکرایا۔''ڈاکٹر ابھی تک اس کا سبب دریافت نہیں کر سکے ہیں اور نہ ہی وہ اس کی اس کیفیت میں کوئی تغیر پیدا کر سکنے کے لائق ہوئے۔''

''تب تو آپ ٹھیک راستے پر ہیں۔''

''جس طرح چاہیں سمجھیے۔''

''ورنہ سچ تو یہ ہے کہ میں خود ابھی تک ڈاکٹر جیٹھا کی موت کی قدرتی یا اتفاقیہ سمجھنے میں ۶۰ فیصدی سے زیادہ آگے تھا۔'' ڈی سی پی نے یہ کہتے ہوئے مسکرا کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھادیا جس کا مطلب تھا کہ اسے اب اور کچھ نہیں کہنا ہے۔خان ہاتھ ملا کر سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

لیکن اپنے روم میں واپس آتے ہی اسے فون کا رسیور میز پر علیحدہ رکھا ہوا ملا۔

''صاحب، سٹی سول اسپتال سے آپ کے نام ارجنٹ کال ہے۔''چپراسی نے بتایا۔

''اچھا اچھا۔تم ذرا دیکھو ڈیسوزا صاحب آئے یا نہیں؟''خان نے چپراسی کر باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔وہ فوراً ہی چلا گیا۔

فون پر دوسری طرف ڈاکٹر سید تھا۔

''بھئی، آپ کی وجہ سے مجھے ابھی تک یہاں رکنا پڑا ہے۔وہ اس مریض کا تو انتقال ہوگیا۔''ڈاکٹر سید نے بتایا۔

''کیسے؟''خان نے اس طرح پوچھا جیسے اسے مریض کے انجام پر کوئی حیرت نہ ہوئی۔

''بالکل ڈاکٹر جیٹھا کی طرح۔قہقہے لگاتے لگاتے بس ایک بار قہقہہ کا پھندا اس کے گلے میں اٹکا اور تین چار جھٹکوں میں اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے کر دیے۔''

''میں جانتا تھا کہ یہی ہونے والا ہے۔''خان نے کہا۔

Akram Allahabadi

''اس کے ہوش میں آنے کے بعد میں کچھ ایسا ہی سمجھا تھا۔خیر اب کیا کرنا ہے؟''

''قطعی رازداری۔کسی کو ابھی معلوم نہیں ہوا ہوگا؟''

''بالکل نہیں۔میں نے اس سے پہلے ہی اوپر کسٹوڈی وارڈ میں منتقل کرادیا تھا۔ صرف آپ کا وہ ایک مونچھوں والا اسسٹنٹ اور دو سپاہی وہاں موجود ہیں اور ان سپاہیوں کو بھی اندر کی خبر نہیں۔وہ مونچھوں والا البتہ جانتا ہے، کیونکہ وہ اندر ہی تھا۔''

''ٹھیک ہے۔وہ میرا ہی آدمی ہے۔اس سے کوئی خطرہ نہیں۔میں بہر حال ابھی آرہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے خان نے فون کا سلسلہ منقطع کیا اور کوٹ سنبھالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ چپراسی اس وقت واپس آپہنچا۔

''صاحب، ڈیسوزا صاحب تو ابھی تک نہیں آئے۔''اس نے بتایا۔

''آنے پر انھیں بولو کہ کہیں اور نہ جائیں، آفس میں ہی رہیں۔میں فون کرونگا۔'' چپراسی کو یہ ہدایت دیتا ہوا وہ پی کیپ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

رپورٹ

۱۔ تین سال قبل وہ آسٹریلوی جہاز ایپیکا پر اٹل بین کا کام کرتا تھا۔ اس کا نام وکٹر گورڈن تھا اور جہاز پر ایک آفیسر کو مجروح کرنے کے علاوہ اس پر سوئٹزرلینڈ کی گھڑیوں کی ناجائز تجارت والے ایک ریکٹ کا ممبر ہونے کے الزامات بھی تھے۔ وہ باب الہند کے قریب جہاز سے سمندر میں کود کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اور دو سال تک روپوش رہنے کے بعد پچھلے سال اسے چند دنوں تک بین الاقوامی ملاحوں کے کلب میں دیکھا گیا تھا، جہاں وہ ایک اطالوی کلب گرل سے ملنے آیا کرتا تھا، لیکن کسٹم پولیس کو کسی طرح موجودگی کی خبر ہو گئی اور اسی دن سے گورڈن نے وہاں آنا چھوڑ دیا۔

۲۔ گورڈن کی انگلیوں کے نشانات جو جہاز ایپیکا کی طرف سے کی گئی پورٹ سنک رپورٹ میں جہاز کے اسٹاف رکارڈ سے کاپی کر کے پورٹ پولیس کو دیے گئے تھے، ان نشانات سے بالکل ملتے ہیں جو ڈاکٹر جیٹھا کی لیبوریٹری کی اندرونی دروازوں اور سامانوں پر پائے گئے ہیں، لیکن جو فنگر پرنٹس ٹوٹی ہوئی چٹکنی پر پائے گئے ہیں وہ مختلف اور نامعلوم ہیں۔

۳۔ پچھلی بار نومبر کے اواخر میں جب گورڈن کے ملاحوں کے کلب میں آنا جانا شروع کیا تھا، وہ صحت میں جہاز والے دنوں سے بہتر اور حیثیت میں خوش حال نظر آتا تھا۔ کلب کے کینٹین منیجر کا بیان ہے کہ اس نے کبھی کبھی اطالوی کلب گرل ایمیلیا کے ساتھ ایک نشست میں دو دو سو روپے تک خرچ کر دیے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق کسی ناجائز منافع بخش تجارت سے رہا ہو گا۔

۴۔ ایمیلیا بھی لاپتہ ہے۔ کلب میں جانے والے ملاح کیونکہ شہر میں زیادہ نہیں گزرتے، اس لیے انھوں نے ان دونوں کو پھر کہیں نہیں دیکھا۔ گورڈن کی رہائش گاہ یا دوسرے

ممکنہ اڈوں کے متعلق کسی کو علم نہیں۔

۵۔ ایمیلیا ۳۱ ٹینک بند روڈ کے ایک فلیٹ میں رہتی تھی، لیکن تقریباً ایک سال سے اس کا پتہ نہیں۔ پڑوسیوں کا بیان ہے کہ وہ اس نوجوان (گورڈن) کے ساتھ کسی غیر ملک کے سفر پر ہنی مون منانے گئی ہوئی ہے۔ فلیٹ میں اب جو یہودی رہتا ہے، اس کا بیان ہے کہ اس نے اسے تین ہزار روپے کی پگڑی دے کر ایمیلیا کے ہونے والے شوہر (گورڈن) سے خریدا تھا۔ دونوں میں لین دین کا کوئی تحریری معاہدہ نہیں ہوا، سوائے اس کے کہ ایمیلیا نے فلیٹ کے کرائے والے پرانے مل یہودی کے حوالے کر دیے تھے۔ فلیٹ اسے مع کچھ سامان کے فروخت کیا گیا تھا۔

۶۔ کافی کوشش کے باجود ابھی گورڈن اور ایمیلیا کا کوئی پتہ نہیں چل سکا اور نہ ہی یقینی طور پر ایمیلیا کے اطالوی ہونے کی تصدیق ہو سکی ہے، کیونکہ اطالوی سفارت خانے کے ریکارڈ پر ایسی کوئی لڑکی پاسپورٹ حاصل نہیں کر سکی ہے۔

۷۔ درایں حالات ان دونوں کے بارے میں مزید معلومات کا فراہم ہونا ناممکن ہے، اس لیے رپورٹ مکمل کر رہا ہوں۔

بقیہ: میں ایمیلیا کی ایک چھوٹی سی تصویر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ یہ اس کے ایک پڑوسی نوجوان کے پاس تھی جو اس سے محبت کرتا تھا، لیکن یہ تصویر اس نے چوری چھپے اتاری تھی۔ ایمیلیا سے بہر صورت اس کے کوئی تعلقات نہ تھے، نہ وہ کسی قسم کی معلومات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ایس۔ پی۔ ڈیسوزا

انسپکٹر ڈی سی پی، سی آئی ڈی

خان نے رپورٹ پوری پڑھ کر میز پر رکھ دی اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر سر کے پچھلے حصے کو ٹیک کر چھت کو گھورنے لگا۔

Akram Allahabadi

''یا اللہ، بھیج۔'' بالے بھی چھت کو تکتے ہوئے بڑبڑایا۔

''کیا؟'' خان نے چونک کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''جس کی تقدیر میں جو کچھ ہو۔''

''اور اگر چھت سے مرا ہوا چوہا ٹپک پڑے تو؟''

''تو مونچھوں والے کی تقدیر۔'' بالے کن انکھیوں سے رؤف کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ بیچارہ خان کے لحاظ سے مؤدب اور خاموش بیٹھا تھا۔ جب سے وہ ڈیسوزا کی رپورٹ لے کر آیا تھا، اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ خان مسکرا کر رہ گیا۔ شاید اس لیے کہ اس وقت وہ خود بھی خوشگوار موڈ میں تھا، ورنہ عموماً ایسے موقعوں پر بالے کو ایک ڈانٹ ضرور سننے کو ملتی، جس کا وہ اثر خاک لیتا، لیکن رؤف کی جان بچ جاتی تھی۔

''وہی مثل ہوئی کہ مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ۔'' رؤف نے دبی زبان سے بالے کو جواب دیا۔

''کونسی پھوٹی، رؤف بھائی؟'' بالے پلٹ پڑا۔

''اب میں کیا بولوں، صاحب کے سامنے۔'' رؤف نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''ارے کچھ تو ان مونچھوں کی شرم کرو۔''

''چپ رہو، بالے۔'' خان چھت کو گھورتے ہوئے کسی سوچ میں مغرق رہ کر بولا۔

''چپ رہو، رؤف بھائی۔ صاحب کو الہام ہو رہا ہے۔''

''ڈیسوزا کی رپورٹ سے تو سراغ کی آخری کڑیاں بھی ٹوٹ گئیں۔''

''ویلڈنگ کرائی جا سکتی ہیں۔'' بالے آہستہ سے بولا، لیکن خان نے سن ہی لیا۔

''تمہاری کھوپڑی کی؟'' خان نے گھور کر پوچھا۔

''وہ یعنی کہ... میرا مطلب ہے گاڑی کا ریڈی ایٹر لیک کر رہا ہے نا۔''

''بالے۔'' خان کھوئے ہوئے انداز میں بڑبڑایا۔ ''اب صرف ایک ہی صورت

ممکن ہے۔"

"ارشاد۔" بالے نے سنجیدگی سے کہا، کیونکہ خان یقیناً کوئی پلان بنا چکا تھا۔

"یہ ایک اتفاق ہے کہ گورڈن کی شکل کسی قدر تم سے ملتی جلتی ہے۔ ویسے میک اپ کی محنت تمہیں اس جیسا ہی بنا دے گی۔"

"اور کوئی نہیں ملے گا؟" بالے نے بے بسی سے پوچھا۔

"اس کی شکل سے کسی قدر مشابہت رکھنے والا ایک آدمی اور بھی ہے، جسے میں ایک باریک میک اپ کے ذریعے تمہاری جگہ استعمال کر چکا ہوں، لیکن یہاں اس سے کام نہیں چلے گا۔ کافی اداکاری کی ضرورت ہے۔" خان نے بتایا۔

"مجھے تو یہ معلوم نہیں کہ گورڈن کی ولدیت کیا تھی۔ میں اس کے ماحول میں کیسے نبٹوں گا؟" بالے نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"خدا نے تھوڑی سی عقل دی ہوتی تو تم سارجنٹ نہ رہتے۔ کیا تم بھول گئے ہو اخباروں میں اس کے پاگل ہو جانے کا اعلان کیا جا چکا ہے؟"

"پاگلوں کو جوتے بھی کھانے پڑتے ہیں۔"

"تنخواہ صرف لڈو کھانے کی نہیں ملتی۔"

"تو مجھ پر غلاف کب چڑھایا جائے گا؟"

"شام کی چائے پی لو۔"

"یعنی چند گھنٹوں کا بھی نوٹس نہیں۔"

"اور، رؤف، تم دور رہ کر ان کی نگرانی کرنے والوں کی نگرانی کرو گے۔"

"جی؟" رؤف نے جملے کی تشریح طلب کرنے کے انداز میں پوچھا۔

"مجھے امید ہے کہ اسپتال سے پاگل گورڈن کے فرار ہو جانے کی خبر ملتے ہی وہ لوگ شہر گیر پیمانے پر اسے تلاش کریں گے۔ کیونکہ صبح سے دو جعلی فون پولیس کے نام سے اسپتالوں

Akram Allahabadi

میں گورڈن کی حالت دریافت کرنے کے لیے آچکے ہیں۔تیسرے فون پر انھیں مطلع کر دیا جائے گا کہ مریض محافظ سپاہی کے میں دانتوں سے کاٹ کر فرار ہو گیا ہے۔پولیس تلاش کر رہی ہے۔''خان نے بتایا۔

''اور اگر ان لوگوں نے مجھے اپنے لیے خطرناک سمجھ کر دو چار راؤنڈ خالی کر دیے تو؟''

''نہیں نہیں، پاگل گورڈن سے کوئی خطرہ نہ ہوگا۔وہ زیادہ سے زیادہ یہ تصدیق کرنے کی کوشش ضرور کریں گے کہ آیا گورڈن نے اپنی آزادی کے لیے پاگل پن کا یہ ڈھونگ رچایا ہے، یا واقعی وہ پاگل ہو چکا ہے۔پہلی صورت میں انھیں شبہ ہوگا کہ اس پر قہقہوں والی موت کا جو فوری عمل کیا گیا تھا، وہ اس کے جسم تم نہیں پہنچ سکا ہے۔اور دوسری صورت میں وہ اس کے ہلکے نفاذ کے شک میں پڑ جائیں گے، جس کے نتیجے میں گورڈن موت کے شکنجے تک پہنچنے کی بجائے صرف پاگل ہو گیا ہے۔''

''اوپر والے! لائف انشورنس والوں کو میری ذات سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔'' بالے دعا مانگنے لگا۔

''گھبراؤ نہیں، تم کو گلے سے ناف تک بلٹ پروف پہنا دیا جائے گا۔''

''خدا آپ کو غل پروف بنائے۔اب میں ہلدی گھاٹ کی لڑائی پر بھی جانے کو تیار ہوں۔'' بالے نے خم ٹھونک کر کہا۔

''بس تو شام کی چائے سے فارغ ہو لو۔'' خان یہ کہہ کر اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''شرم کرو، رؤف بھائی۔'' بالے نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' رؤف نے چونک کر بگڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''میں رانا سانگا بن کر ان میں جا رہا ہوں اور تم مونچھوں کی آڑ سے تماشا دیکھو

گے۔''

''بالے صاحب، بہت ہوگیا، بس۔'' رؤف بگڑ گیا۔

''میں مجبور ہوں۔تمہاری مونچھیں دیکھ کر مجھے گلہری کی دم یاد آجاتی ہے اور گلہری کی دم سے مجھے پیدائشی نفرت ہے۔میں جب دودھ پیتا تھا تو وہ اس میں دم ڈال دیا کرتی تھی۔''

بالے تشریح کرنے لگا، لیکن رؤف کو اس جملے پر غصے کی بجائے ہنسی آ گئی۔

''خدا سمجھے تم سے۔'' وہ یہ کہتا ہوا اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

ایک طرف تو شہر کی پولیس آوارہ پاگلوں کو دیکھتی پھر رہی تھی اور دوسری طرف پالکر برج کے فٹ پاتھ پر ایک پاگل نے خاصہ ہنگامہ مچا رکھا تھا۔کبھی وہ بیچ سڑک پر کھڑے ہو کر الٹے سیدھے اشاروں سے ٹریفک پولیس کا کام انجام دینے لگتا اور کبھی کتے کی طرح بھونک بھونک کر آتی جاتی موٹروں کے پیچھے دوڑنے لگتا۔لیکن درمیان میں ایک راہ چلتے پولیس کانسٹیبل نے اسے سڑک سے دھکیل کر فٹ پاتھ پر کر دیا اور وہ وہیں بیٹھ رہا۔شاید اس کانسٹیبل کو کسی پاگل کی تلاش کی ہدایت نہیں ملی تھی۔اس کے بدن پر کسی اسپتال کے سادہ سفید کپڑے تھے، جنہیں اس نے جگہ جگہ سے پھاڑ ڈالا تھا وہ کہیں سے ہڈیاں بھی جمع کر لایا تھا جس کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں اس کے آس پاس تین چار کتے اکٹھے ہو گئے۔وہ انھیں ہڈیاں دیکھا کر ہاتھ کھینچ لیتا، جن پر ان میں سے دو ایک کو طیش آ گیا اور وہ اس پر بھونکنے لگے، لیکن جواب دینے میں وہ بھی پیچھے نہیں رہا۔اس نے بھی زمین پر چوپایوں کی طرح گھٹنے اور ہتھیلیاں ٹیک کر اس انداز میں بھونکنا شروع کر دیا اور راہ چلتے آدمیوں کی بھیڑ لگ گئی۔وہ اسے دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے کہ اس نے اپنی جگہ سے جست کی اور ایک آدمی کا پیر دانتوں سے تھام کر کتے کی طرح بھنبھوڑنے لگا۔وہ بیچارہ چیخ کر پیچھے ہٹ گیا اور اسی وقت کسی نے ان میں سے رائے زنی

کرتے ہوئے جب یہ کہا کہ یہ آدمی کسی پاگل کتے کا کاٹا معلوم ہوتا ہے،تو وحشت کی وجہ سے سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور پاگل اجنبی، بھوں بھوں کرتا کرتا، کیوں کیوں پر آ گیا۔اتنی فرصت میں کتے ہڈیوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔وہ ان میں سے ایک کے پیچھے دوڑ پڑا۔

"خبر دار،ٹھہر جاؤ،تم ایسی غیر اخلاقی حرکت نہیں کر سکتے۔"پاگل انگریزی میں چیختا جا رہا تھا۔اس کا لہجہ سفید غیر ملکیوں جیسا تھا۔"ٹھہر جاؤ،ورنہ میں تمہاری کتیا کو بیوہ کر دوں گا۔ ارے نہیں سنتے،سالے کتے۔"

پھر وہ ان کا پیچھا چھوڑ کر تماشا دیکھنے والے دو نئے راہ گیروں کو گھورنے لگ۔وہ نوجوان طالب علم معلوم ہوتے تھے اور شاید اپنے اسکول یا کالج سے واپس لوٹ رہے تھے۔وہ ان سے ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی میں ہی شروع ہو گیا۔

"میرا مال بچہ لوگ۔جب تم مرو گی کے انڈے میں سے نکلا تھا تو کون سا بولی بولا تھا؟"

"الو کی۔"ان میں سے ایک نے دلچسپی لیتے ہوئے جواب دیا۔

"تم الو کہ ہم الو؟"پاگل نے دونوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"دونوں۔"دوسرا طالب علم ساتھ میں اپنے ساتھی کا بھی مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔

"ایکسیلنٹ۔تم سواری کا موا پھک گدھا ہے۔گیٹ آؤٹ وے انڈیا۔"

وہ اسے بھاگ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔پھر منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔

"نور پلیس شر لے ٹمپل اینڈ گو آن وِدھ دی وِنڈ...گو آن...گو آن۔"وہ انھیں ڈانٹنے لگا،مگر وہ کھڑے ہنستے ہی رہے۔

پاگل نے انھیں ناپسندیدہ نظروں سے گھورا اور پھر منہ پھیر کر بڑبڑانے لگا۔

"مائی ڈیئر ہنٹر،رسیوڈ یور لیٹر،تھینک یو۔آئی ایم کوائٹ ویل نو ویل بٹ ایور نو ایور بٹ اوشن پلیز رائٹ می سون اینڈ گٹ اویٹ گٹ اویٹ۔"وہ غصے میں سر کو جھٹکنے لگا۔دونوں

طلباء بے ساختہ ہنس دیے۔ان کے ہنستے ہی پاگل نے گھٹنے زمین پر ٹیکے اور بھونکنا شروع کردیا۔اس کی آواز واقعی کتے کی آواز سے مشابہ تھی۔پھر وہ جیسے ہی ان پر جھپٹا وہ دونوں گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔اتنے میں سڑک پر آگے پیچھے کئی کاریں گزرنے لگیں اور پاگل کا دھیان ان کی طرف بٹ گیا۔وہ ایک کار کے ساتھ دوڑنے لگا۔وہ بڑبڑاتا جارہا تھا۔زبان انگریزی تھی اور تلفظ غیر ملکی۔

"پلیز مسٹو گوڈ مزے، مجھے امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔چھٹی ضرور لکھا کیجیے۔اگر خدا کی قدرت سے آپ کے دم بھی پیدا ہو جاتی تو میں آپ کو مبارک باد کے ایک ہزار تار بھیجتا۔پیسیفک کی مچھلیاں آپ کے غم میں موسم بہار کے گانے گارہی ہیں۔اگر عاقبت نیک چاہیے تو ڈربی کا ٹکٹ ضرور خریدیے۔ڈربی کا ٹکٹ ضرور خریدیے۔ڈربی کا ٹکٹ ایک، ڈربی کا ٹکٹ دو، پلیز شٹر گاڈ فرے... مس بٹر... گوڈ پھرے... مس تاو... گواہ روڈ... ٹی پی ٹی رے اے اے اے۔ڈربی کا ٹکٹ ایک آنے میں... ایک آنہ... جو کوئی دے اس کا بھی بھلا، جو نہ دے اس کا بھی بھلا۔بھائیو، ایک آنہ۔ایک آنے میں ساری دنیا ایک چکر لگاتی ہے تو دو آنے میں کتنے لگائے گی۔اعشاریہ تین دو پانچ چھ... چھ... چھ... آنچھ چھیں..."

مگر اس کار کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے شاید تاؤ میں آکر اس کے منہ پر ایک طمانچہ ماردیا۔پاگل فوراً پیچھے ہٹ آیا اور اس نے کسی خارش زدہ مظلوم کتے کی طرح رونا شروع کردیا۔

"کیوں کیوں کیوں.. اوں... کواوں... بھوں بھوں... ہوواؤہو... پیاؤں پیاؤں ... پیاؤں.. اوں.. اوں.. اوں..."

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شامتِ اعمال

آگے پل کے چوراہے پر شاید ٹریفک زیادہ تھا، اس لیے آگے پیچھے موٹروں کی قطاریں لگ گئیں۔ ان میں شوکت کی کار بھی موجود تھی اور اس کی کار کے آگے جو کار تھی اسے ایک خوبصورت پارسی لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔ ممکن ہے شوکت اسی کا پیچھا کرتا آ رہا ہو، کیونکہ اس وقت بھی وہ اسے جھانک جھانک کر دیکھ رہا تھا۔

اچانک پاگل شوکت کو غور سے دیکھ کر اچھلا اور دوڑ کر اس نے شوکت کی غفلت میں اسٹیرنگ والے ہارن بلب پر ہاتھ رکھ دیا۔ شوکت کی کار بے طرح شور مچانے لگی۔ اگر یہ خموشی کا علاقہ (silence zone) نہ ہوتا تو شاید لوگ اس ہارن پر نہ چونکتے، لیکن بہت سی گردنیں، اگلی پچھلی کاروں سے نکل کر شوکت کو دیکھنے لگیں۔ وہ سٹ پٹا گیا تھا اور وہ پاگل اس کی کار کے پاس کھڑا اسے بچوں کی طرح زبان چڑا رہا تھا۔ وہ لڑکی بھی پلٹ کر شوکت کو گھور رہی تھی۔ شاید وہ آگاہ تھی کہ وہ شرارتاً اس کا پیچھا کر رہا ہے اور غالباً ہارن بھی اس نے اسی کو متوجہ کرنے کے لیے بجایا ہے۔

''ابے او چڑماکے۔'' شوکت پاگل کو دیکھتے ہوئے غرا کر بولا۔ ''سالے، تمہارے باپ کی گاڑی ہے کیا؟''

''ہو دو دو۔'' پاگل نے بھونک کر جواب دیا۔

''لو، سالے کتے ای بن گئے۔'' شوکت کو ہنسی آ گئی، لیکن پاگل نے اتنی دیر میں اسٹیرنگ پر جھک کر ایک حرکت اور کی تھی، جس کی شوکت کو خبر نہیں تھی۔ اس نے شوکت کی کوٹ کے کاج میں لگا ہوا گلاب کا پھول نکال لیا تھا۔ شوکت کے منہ پھیرتے ہی اس نے وہ پھول اس لڑکی کے منہ پر کھینچ مارا، جو اب آگے کی طرف دیکھنے کے بعد سر اندر کرنے والی تھی۔ پھول لگتے

ہی وہ بھڑک اٹھی۔اس نے کار کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر کر تیز تیز چلتی ہوئی شوکت کی طرف آنے لگی۔شوکت نے اسے شاید اپنی آہوں کی کشش کا نتیجہ سمجھ کر دانت نکال دیے،لیکن جو سب سے پہلا محبت بھرا لفظ سننے کو ملا وہ، یو ایڈیٹ، تھا۔

''کائے کو؟''شوکت نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر سوال کیا۔

''تمہارا ماں بھین نئیں ہے اُدر؟''لڑکی نے پیر پٹک کر بگڑتے ہوئے پوچھا۔

''مم...ماں...بھین؟ اہاں ہاں... کیوں نئیں۔قائے کو نئیں ہے تو...''شوکت گھبرا کر بولا۔

''پھر مستی کائے کو چڑھیلا ہے؟''لڑکی کا لہجہ بدستور سخت تھا۔وہ اس کی کھڑکی سے اتنی قریب تھی،اگر وہ چانٹا بھی مارتی تو شوکت کو مزا آجاتا۔پاگل پنجوں کے بل اب لڑکی کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

''کائے کی مستی؟''شوکت بھی اکڑ گیا۔''میں نے کون سے تمہارے پر خاب کے سر...ارے نئیں...وہ یانی کہ سُر خواب کے پر توڑ لیے۔''

''وہاٹ نانسنس۔''لڑکی اس کے جملے کا مطلب نہ سمجھ کر اور بگڑ گئی۔

''تم خود نانسنس، بلکہ ڈبل نانسنس۔''شوکت بھی گرم ہونے لگا۔

''ایک تو کتے کا موا پھق امارا پیچھے دُم ہلاتا ہے،اوپر سے گسہ کرتا ہے۔''لڑکی کڑک کر بولی۔

''اے سالی مس...مس...یانی کہ جو کچھ بھی...زبان سنبھالو۔''

''شٹ اپ۔''یہ کہتے ہوئے لڑکی نے غصے سے بے قابو ہو کر اس کے ایک گال پر طمانچہ جڑ ہی دیا۔

شوکت اس غیر متوقع اقدام پر سٹ پٹا گیا لیکن لڑکی جیسے ہی طمانچہ مار کر پلٹ کی چلی،پاگل نے جلدی سے ایک پن نکال کر اس کے چبھو دیا اور خود دور ہٹ کر،ہو ہو،کرنے لگا۔

Akram Allahabadi

لڑکی جوشِ غضب سے بے قابو ہو کر پھر شوکت پر پلٹ پڑی۔اس کے خیال میں یہ حرکت بھی شوکت کی ہی تھی۔

''اے لو، لاڈ میں آ گئی، سالی۔''شوکت بڑبڑایا۔

''تم ایسا نہیں مانے گا۔''اس نے دانت پیستے ہوئے شوکت کو دھمکی دی۔

''ارے جاؤنا، کائے کو گلے پڑ رئی ہو۔عورت سمجھ کے مروت کر رہا ہوں، تمیں تو مزا چکھا دیتا۔''

''ام تمہارا پولیس کمپلنٹ دینگا۔کیا نمبر ہے تمہارا گاڑی کا؟''

''اللہ نے دو دی ہوں تو دیکھ لو۔تمیں تو دال میں سرمہ کھایا کرو۔''شوکت نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔''ہونہہ۔کمپلیٹ دے گی سالی گلے پڑو۔''جملے کا آخری حصہ اس نے پھر بھی دبی زبان سے ہی ادا کیا۔اتنی دیر میں لڑکی کا کوئی پارسی ہمدرد آ پہنچا۔وہ بھی شاید کسی کار سے ہی اترا تھا۔دوسری گاڑیاں سائڈ سے آگے بڑھ گئی تھیں۔

''سو نچھے، صاحب جی؟''وہ قریب آ کر گجراتی میں بولا، جس مطلب تھا، کیا ہے جناب۔

''کائے کو سوچیں؟ تم خد سوچو۔سمجھاؤ سالی اس انیمی کا راجہ، اندر کی سبھا کو۔'' شوکت نے اب کسی قدر شیر ہو کر کہا۔

پارسی جو شاید شوکت کے لفظ سمجھ گیا تھا لڑکی سے مخاطب ہو کر کچھ پوچھنے لگا۔اور وہ اسے اپنی گجراتی زبان میں کچھ بتاتی رہی جس میں بار بار شوکت کی طرف غصے سے اشارہ کرتی جاتی۔تمام بات سن کر بھی پارسی کو کوئی خاص غصہ نہیں آیا۔وہ کوئی صلح جو آدمی معلوم ہوتا تھا۔

''صاحب جی، تم اس کو پھول کائے کو پھینک کے مارا، پن کائے کو چھبویا؟''پارسی نے نرمی سے شوکت سے پوچھا۔

''اور لو، آپ بھی سنکے۔مگر میں وہ نہیں ہوں، یانی کہ بیوقوف۔میاں خان، کسی اور کو

ٹھگنا۔اپن ٹھگوں کے بھی باپ دادا ہیں۔"شوکت نے ٹیڑھا جواب دیا۔

"صاحب جی، یہ آپ کا پھول نہیں ہے؟"پارسی نے لڑکی کے ہاتھ سے پھول لے کر شوکت کو دکھایا اور اس پر نظر پڑتے ہی شوکت اپنے کوٹ کا کاج ٹٹولنے لگا۔"ارے ہاں، یہ میرا ہی ہے، مگر یہ سالا اڈرا ودر کیسے پونچ گیا؟"وہ حیرت سے بولا۔ "تم دیکھ ریلا ہے، شاپور، کیسا جھوٹ بولتا یہ۔"لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ارے نہیں۔اللہ قسم۔میں یہ کوچھ نہیں کیا۔پھول مول میں نے نہیں پھینکا۔"

"تو پھر یہ جادو کا پھول ہوئینگا؟"پارسی بھی کسی قدر جل کر بولا۔

اسی وقت پاگل، ہی ہی ہی، کر کے پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔اور وہ تینوں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔وہ پارسی کے کوٹ کی پشت کی طرف دیکھ رہا تھا۔اور لڑکی نے جیسے ہی گھوم کر پارسی ساتھی کی پشت پر دیکھا، وہ بے اختیار ہنس پڑی۔اس پر چاک سے ایک گدھے کی تصویر کا خاکہ بنا ہوا تھا۔پارسی سٹ پٹا گیا۔

"ہوئے، اب میں سمجھا۔"شوکت چونکا۔"یہ حرکت بھی اسی سالے کی ہوگی۔ہارن بجاتے میرے کاج سے پھول نکال لیا ہوگا۔"اس نے کہا۔

"تم جیسے نامعقول کو گلاب کے پھول زیب نہیں دیتے۔"پاگل انگریزی میں ہنس کر بول اٹھا۔

"کیا بولتا ہے بے۔"شوکت بھنا کر کار سے اترنے لگا۔

"جانے دو، صاحب جی، جانے دو۔بیچارہ پاگل ہے۔"پارسی ہی اسے سمجھانے لگا۔

"ایسا کیسا پاگل۔"شوکت کو غصہ آچکا تھا۔

"جنٹلمین۔"پاگل نے موٹی آواز کر کے لیکچر شروع کر دیا۔"جنٹلمین آف دی جنوری ۱۹۱۴ء اینڈ می لاٹ پلیز ون سگریٹ اینڈ کافی اینڈ بٹر آف دی نیشنل یونٹی۔بھوبھو جی

پا ئیں گوڈی ٹم انڈھا یہ کوڑھی ان دی تھری ناٹ ٹوئنٹی فور۔ہووووو۔پوچ ... پوچ ... پوچ ... پیاؤں ... پیاؤں ... پیاؤں ...ڈھرررر... جھک جھک جھک جھک ...کواو...کواو...'' اور پھر اس کی ریل والی کواو کوئل کی آواز میں تبدیل ہوگئی۔جس کے ختم ہوتے ہی وہ کائیں کائیں کرنے لگا۔اس کی دوبیروں کی ریل گاڑی اب آگے جاچکی تھی۔اور وہ لوگ اسے دلچسپ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''بیچارہ کوئی شریف آدمی ہی مالوم پڑتا ہے۔'' پارسی نے اظہارِ افسوس کیا۔لڑکی کا غصہ اب مسکراہٹ میں بدل چکا تھا۔وہ محبوب نظروں سے شوکت کو دیکھنے لگی۔اور شوکت کی کھوپڑی پر اچانک کیوپڈ سوار ہو گیا۔

''آئی ایم ویری ساری،مسٹر...'' لڑکی نے اظہارِ معذرت کے طور پر کہنا چاہا۔

''شوکت میاں خاں۔'' شوکت نے اپنا نام بتایا۔

''سکات میاں کھاں۔'' لڑکی نے دہرایا۔

''جاگیردار بھی۔'' شوکت نے نام کا باقی مکمل کر دیا۔

''وہاٹ وار؟'' لڑکی نے انگریزی میں پوچھا۔

''میں میں،وہاٹ دار ہیں،جاگیردار۔اور آپ کا نیم،پلیز؟''

''میوہ والا۔'' لڑکی نے بتایا۔

''والا کہ والی؟''

''میوہ والا۔'' لڑکی نے دہرایا۔

''کونسا میوہ؟'' شوکت نے اس کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے سوال کیا۔

''اوہ،نو۔یہ امارا سر نیم ہے۔''

''یانی کہ یہ وہ پاجامہ ہے کی جس کا میں الٹا سیدھا۔'' شوکت نے ہنس کر شاعری کی۔

Akram Allahabadi

''آپ برا نہیں ماننا۔''لڑکی نے مزید کہا۔''میرے کو برا افسوس ہے۔''اس نے ہندوستانی بولنے کی کوشش کی۔

''کائے کو برا اورا ماننا۔مجھے تو آپ سے مل کر بھوت خشی ہوئی۔''

''چلو ایسا بھوت اچھا ہوا۔''پارسی بھی بول پڑا۔''آپ لوگ مخول لڑائی کرتا تھا۔''

''اور آپ کا شبھ نام بھی تو بتایے؟''شوکت نے پارسی سے پوچھا۔

''شاپور۔''

''شاپور...ارے مگر یہ تو کسی گاؤں واؤں،شیر ویر کا نام ہے؟''شوکت نے کہا۔

''یہ میرا نام ہے۔''پارسی دوبارہ بولا۔

اتنے میں ایک کانسٹیبل آپہنچا اور انھیں راستے میں گاڑیاں کھڑی نہ رکھنے کی اس نے ہدایت کی۔لڑکی اپنی کار میں جا بیٹھی اور پارسی پیچھے اپنی کار میں چلا گیا۔لیکن شوکت نے اب دانستہ اپنی کار اس لڑکی کے پیچھے لگائی تھی۔اسے امید ہوگئی تھی کہ میوہ والا سے اب دوستی پکی ہوجائے گی۔

پل پر پھر ایک بار بھیڑ کم ہوگئی،لیکن اب سرکاری کھمبوں کی روشنیاں جل اٹھی تھیں اور شام کا اندھیرا گہرا ہوتا جارہا تھا۔پل کے اولین سرے کے کنارے ایک آدمی بہت دیر سے ایک پان سگریٹ والے کی دکان کے سامنے کھڑا دکان کے آئینے میں پاگل کی نقل وحرکت کا عکس دیکھ رہا تھا۔اس کا ایک ہاتھ اس کی جیب میں تھا۔وہ شکل وصورت سے کوئی اچھا آدمی نہ معلوم ہوتا تھا،لیکن کپڑے اس نے اچھے پہن رکھے تھے۔پاگل جس وقت بھونکتا،اچھلتا پل کے اس پار جانے لگا تو وہ بھی فاصلے سے اس کے پیچھے اس طرح چل دیا کہ جیسے محض تفریح کر رہا ہو۔

پل کے دوسری طرف ہی پہلوی ریسٹورنٹ کے سامنے شوکت نے کار روک لی تھی۔ وہ ان دونوں کے پیچھے ہی پڑ گیا تھا۔کہ انھیں اس کے ساتھ کم از کم کافی یا کولڈ ڈرنک تو پینا ہی

پڑے گا، تا کہ درمیان سے ناخوشگواری کا احساس بالکل ہی مٹ جائے۔ پارسی لڑکیاں ویسے بھی کافی آزادخیال ہوتی ہیں۔ اس نے نیاوہ انکار بھی نہیں کیا اور کاریں باہر پارک کر کے وہ تینوں پہلوی ریسٹورینٹ میں گھس گئے۔ پاگل بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔

''ارے نکالو بے اسے، یہ پاگل ہے۔'' شوکت نے اسے دیکھتے ہی ایک ویٹر سے چلا کر کہا۔

''یہ جھوٹا ہے، میں اس کا باپ ہے۔ اینڈ تھینک یو ویری مچ۔ ونس ویری واز کنگ۔ الّو لولو... ہوا ڈوووہ... ہی ہی ہی... او ہاہاہا... ہپ....'' وہ ریسٹورینٹ کے داخلی دروازے پر کھڑا قہقہے لگاتا رہا اور مجبوراً دو بیروں نے اسے ہاتھ پیروں سے تھام کر باہر پھینک دیا۔

''چلو، خس کم جہاں پاک۔'' شوکت نے اطمینان سے ٹھنڈی سانس لی۔ ''کیا منگاؤں آپ لوگوں کے لیے، کافی یا ٹھنڈا۔'' شوکت پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''نہیں، صاحب جی، کاہے کو تکلیف کرنے کا ہے۔'' شاپور نے اظہارِ تکلف کیا۔

''اے لو، اس میں کاہے کی تکلیف مکلیف۔ اے بیرا، تین بیئر لاؤ۔'' شوکت نے بیرے کو آرڈر دے دیا۔

''صاحب، جیل آپ جائینگا کہ میں؟'' بیرا پلکیں جھپکا کر پوچھنے لگا۔ شوکت کو اس عجیب سے سوال پر شدید قسم کا غصہ آ گیا۔ ایک خوبصورت پارسی لڑکی کے سامنے یہ بے عزتی نہیں تھی تو اور کیا تھی۔ وہ بھڑک اٹھا۔

''ابے تو آدمی ہے یا پجھاخہ۔ کیا مطلب ہوا اس جواب کا؟'' شوکت اس پر آنکھیں نکال کر بولا۔

''صاحب، گرم کاہے ہوتا ہے آپ۔'' بیرے نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم بات مت کرو، سالا ڈیم ولاڈی واسٹک۔'' شوکت نے اسے اپنی انگریزی میں گالی دی۔ ''اپنے منیجر کو بھیجو۔''

Akram Allahabadi

شوکت کے اس جواب پر پیرا چلا گیا، لیکن شاپورا سے سمجھانے لگا کہ بیئر وغیرہ کا استعمال یا اس کا رکھنا بھی سرکاری طور پر منع ہے۔ میوہ والا، شاہ پور کی ہاں میں ہاں ملانے لگی۔ ویسے وہ اس کی گالیوں پر مشکل ہی سے اپنی ہنسی ضبط کر سکی تھی۔

''ارے نگران سالوں کو جواب دینے کی بھی تمیز و میز نہیں ہے کوچھ۔''

اتنے میں منیجر بھی آ پہنچا۔ وہ پھولی ہوئی توند کا پستہ قد آدمی تھا، جس کے گول سے چہرے پر چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں جو فتور تھا وہ ایک سوال بن گیا۔ وہ بیک وقت دو مختلف سمتوں میں دیکھتا تھا اور یہ اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔

''کیا ہوا، سیٹھ؟'' اس نے آتے ہی اس سے پوچھا، لیکن شوکت یہ دیکھ کر اور بھڑک گیا کہ وہ پوچھ اس سے رہا تھا اور اس کی نظریں میوہ والا کی طرف تھیں۔

''ابے، مجھ سے بات کرونا۔'' اس نے منیجر کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ لیا۔

''تم سے ہی بولتا ہے، سیٹھ۔'' منیجر نے یہ کہہ کر پھر منہ ذرا ترچھا کر لیا۔ اس کی ایک آنکھ شوکت کو دیکھ رہی تھی اور دوسری میوہ والا کو دیکھتی معلوم ہوتی تھی۔

''اس ہوٹل کا کیا بھاؤ ہے؟'' شوکت نے بگڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کائے کا، سیٹھ؟'' منیجر نے، جو خود ہی مالک بھی تھا، سوال کیا۔

''ہوٹل کا؟ تمہارے بیرے نے ہماری انسلٹ کی ہے۔ ہم اس ہوٹل کو خرید کر اس میں گدھوں کا اصطبل بنوا دیں گے۔''

''کائے کو مسکری کرنا، سیٹھ۔'' منیجر ہنسنے لگا۔

''ابے مجھ سے بات کرونا۔'' شوکت کو پھر منیجر کی ترچھی نظروں سے غلط فہمی ہو گئی۔

''اور نہیں تو کیا آسمان سے بات کرتا ہے؟'' منیجر نے برا مان کر کہا۔ ''اپنے ہوٹل

میں بیئر نہیں ملتا۔سرکار کا آرڈر نہیں ہے۔'' یہ کہتا ہوا منیجر بڑبڑاتا واپس چلا گیا۔

''سالے ٹپرے۔''شوکت اسے گھور کر بڑبڑایا۔مگر اتنی دیر میں شاپور خود کو لڈڈرنگ کا آرڈر دے چکا تھا۔اور میوہ والا نے شوکت کے غصے پر برف کی سل رکھ دی۔اس نے مسکرا کر شوکت کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے کرسی پر بٹھا لیا اور شرارت بھری نظروں سے اسے تکنے لگی۔ شوکت کسی پھوہڑ دلہن کی طرح شرما گیا۔اور اس کا یہ انداز شاپور کو بھی ہنسائے بغیر نہ رہ سکا، لیکن اس نے منہ پر رومال رکھ کر اپنی ہنسی کو چھینک میں تبدیل کر لیا۔

''آپ کیا کرتے ہیں؟''میوہ والا نے اس سے سوال کیا۔

''اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔اس کا دیا لیا سب کچھ ہے۔''شوکت نے جلدی سے جواب دیا۔

''اوہ نہیں، میں پوچھتی آپ کا بزنس؟''میوہ والا نے اٹک اٹک کر شکستہ اردو بولنے کی کوشش کی۔

''آپ نے شوکت میاں خان جاگیردار کا نام نہیں سنا شاید۔''شوکت نے اظہارِ حیرت کرتے ہوئے اسی سے پوچھا۔

''لیکن نو۔''میوہ والا نے معصومیت سے سر ہلا دیا۔

''میں ٹھیکیداری کرتا ہوں۔ابھی ابھی نیوی کی بلڈنگوں کا کئی لاکھ کا ٹھیکا اور لیا ہے۔'' شوکت نے کسی قدر رشاندار بننے کی کوشش میں ذرا اکڑ کر کہا۔

''ونڈرفل، ونڈرفل۔''وہ ہنسنے لگی۔

''تب تو بھوت کھسی ہوا آپ سے مل کے۔''شاپور دوبارہ ہاتھ بڑھاتے ہوئے بول پڑا۔

''کائے کو؟''شوکت نے کسی بَوَنڈر کی طرح اس کے چہرے کو تکتے ہوئے پوچھا۔

''میں بھی ٹھیکیداری کرتا ہے۔پن کچھ کچھ، تھوڑا تھوڑا۔''شاپور نے جواب دیا۔

Akram Allahabadi

"تو بھوت بھوت کرو نا، اللہ اور دیگا میاں۔ دھندے میں برکت ہے۔"

اتنے میں بیرا کولڈ ڈرنک لے آیا۔

جب وہ ہوٹل سے باہر نکلے تو شام ہو چکی تھی۔ انھیں وہ پاگل ہوٹل کے سامنے ہی فٹ پاتھ پر نظر آیا۔ اس وقت اسے بچوں نے گھیر رکھا تھا اور بعض تو اس کے سر پر چپت لگا کر بھاگ رہے تھے۔ وہ بار بار زمین پر گر کر گولیاں چلانے لگتا، لیکن بچے کہاں ماننے والے تھے۔ اور جب وہ سپاہیانہ انداز میں فٹ پاتھ پر مارچ پاس کرنے لگتا تو اس کی نقل کرتے ہوئے بچے بھی پیچھے لائن لگا لیتے تھے۔ شوکت اور میوہ والا پر نظر پڑتے ہی پاگل بھاگ کر ان کی طرف آ گیا۔

"ہیلو، ڈارلنگ۔" وہ میوہ والا کی بجائے شوکت سے کہنے لگا اور میوہ والا کی بے اختیار ہنسی چھوٹ پڑی۔

"پھر آیا بے سالے؟" شوکت نے اسے ڈانٹ پلائی۔

"ڈارلنگ تم نے جتنے بھی انڈے دیے تھے سب گندے نکلے۔ ڈاکٹر کہتا ہے تمھیں شہد کی مکھی کا بھیجا کھلایا جائے تو معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔" پاگل اس کی ڈانٹ کی پرواہ کیے بغیر کہتا رہا، لیکن کیونکہ وہ انگریزی میں بول رہا تھا، اس لیے شوکت کے پلے تو نہ پڑ سکا، البتہ وہ میوہ والا اور شاپور کی بے ساختہ ہنسی سے سمجھ گیا کہ بات کچھ مسخرے پن کی ہے۔ چنانچہ جھینپ مٹانے کے لیے وہ بھی ہنسنے لگا۔ پاگل اب میوہ والا سے مخاطب ہو گیا۔

"خوبصورت لڑکی، ہم تم کو اپنے دل کا رانی باغ بنائیگا۔ یو آر ویری سوئٹ میٹ اینڈ ملک اینڈ بٹر۔ مائی فورس ہاورس پاور..." وہ میوہ والا کے سامنے دوزانو ہو کر بڑے رومانی انداز میں ہندوستانی انگریزی میں بکنے لگا۔ شوکت کی کنپٹیاں چٹکنے لگیں۔

"ابے او مجنوں کی اولاد۔" شوکت نے اسے پیچھے کی طرف دھکیل کر غصے سے کہا۔

"بلاؤں ابھی پولیس کو؟"

Akram Allahabadi

"جانے دیجیے نا، بے چارہ پاگل ہے۔" میوہ والا نے شوکت کو سمجھایا۔

"کون پاگل؟ پاگل یہ کھوہوئیگا، تین ٹن کا بھینسا۔" پاگل اب کی بار شوکت پر بگڑ گیا۔

"ابے میں کھال کھینچ کر بُھس بھر دونگا، آں۔" شوکت تاؤ میں آکر اسے مارنے کے لیے بڑھا، لیکن اتنی دیر میں پاگل جست مار کر پانچ قدم پیچھے ہٹ چکا تھا اور وہاں سے ایسے پینترے بدل رہا تھا، جیسے شیر اپنے شکار پر حملہ آور ہوتے وقت بدلتا ہے۔ پھر وہ دور سے ہی شوکت کو گھونسے دکھا دکھا کر اچھلنے لگا۔

"یقری ناٹ تھری انٹو سارے سات انٹشن لفٹ ٹرن کوئک مارچ سالا بکرا کی ماں کب تک خیر منائیگا۔ حلوہ پوری کھائینگا... کھائینگا۔ راک حلوہ پوری۔ راک راک ان رو حلوہ پوری راک راک راک کھائیگا... آآ..." وہ اچھل اچھل کر وہیں ناچنے لگا۔ اور دیکھنے والوں کے بے ساختہ قہقہے چھوٹ گئے۔

"ہے مامبو... مامبوانا لیانا ہے مامبو... مامبو... گدھا لے آنا... ہے مامبو... موٹا بائی مامبو گوری لڑکی مامبو... پارسی بابا مامبو... بچہ لوگو مامبو... جاؤ جاؤ بامبو آگ ے پیچھے ریل کا انجن وانت کا منجن چرچل ایڈن جبل پور کے چھ چھ پیسے چھ چھ چھ چھے پیسے ایڈ تھینک یو ویری مچ مائی ڈیئر فادر ہوپ یو آر ویل اینڈ تین بٹا چار جمع جیا تنگ کائی شیخ فل اسٹاپ۔"

مگر اس فل اسٹاپ کے ساتھ ہی اس کی کلائی ایک پولیس کانسٹیبل کی گرفت میں تھی، جو اسے گھیرے ہوئے مجمع کو دیکھ کر یہاں آپہنچا تھا۔

"لے جاؤ سالے کو سیر کراؤ تھانے کی۔" شوکت نے کانسٹیبل سے کہا۔

"مائی ڈیئر گوریلا۔" پاگل کانسٹیبل سے ہی مخاطب ہو گیا۔

"سیدھا چل، بے۔" کانسٹیبل نے اسے آگے دھکیلا۔

"اٹینشن یو انٹرنیجیٹ سپاری باغ روڈ آگرہ... دور سے بات کرو... ہاتھ لگائیگا تو

Akram Allahabadi

ہم تمہارا ناک کان کاٹ کر چیل کوؤں کو کھلا دونگا۔"

"چلتا ہے کہ دوں ایک ہاتھ۔" کانسٹیبل اسے دھکیلنے لگا۔

"تم بھی آؤنا، بھائی۔" پاگل نے شوکت کی طرف دیکھ کر بڑے حسرتناک لہجے میں کہا۔ جس پر سب ہنس پڑے اور شوکت مجمع میں عجیب خفت محسوس کرنے لگا۔

"ڈارلنگ، سوئٹ میٹ اینڈ ورنا کیولر پوں پوں۔" وہ بڑی رومان زدہ نظروں سے میوہ والا کو تکتے ہوئے کہتا گیا۔ پھر اس کی پوں پوں بتدریج کتے کی آواز میں تبدیل ہوگئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پاگل کا اغوا

کانسٹیبل پاگل کو ہاتھ سے تھام کر گھسیٹ رہا تھا اور بچے پیچھے تالیاں بجاتے چل رہے تھے۔ اچانک ایک گلی کے موڑ پر پہنچ کر، جس کا دوسرا سرا ایلی والی سڑک پر نکلتا تھا، پاگل نے کانسٹیبل کے ہاتھ میں زور سے کاٹ کھایا۔ کانسٹیبل نے تلملا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ اتنی تیزی سے بھاگا کہ کانسٹیبل اپنی بھاری توند کے ساتھ اس کا تعاقب بھی اس قدر تیز نہ کر سکا۔ گلی کے کچھ لوگ جو اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے، اب بھی دور ہی کھڑے رہے، لیکن کانسٹیبل ابھی گلی کے دوسرے سرے پر ہی پہنچا تھا کہ پاگل سڑک پر جا پہنچا۔ سڑک اس وقت سونی تھی۔ صرف اکا دکا آدمی چل رہے تھے کانسٹیبل نے وسل بھی بجادی، لیکن کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ پاگل ابھی سڑک پار کر ہی رہا تھا کہ ٹھیک اسی وقت ایک نیلے رنگ کی کونسل کار پیچھے کی طرف سے آ کر جھٹکے کے ساتھ پاگل کے بالکل قریب ہی رکی اور اس کی پچھلی نشست سے دو مضبوط ہاتھوں نے نکل کر اسے تیزی سے اندر کھینچ لیا۔ دروازہ فوراً ہی بند کر دیا گیا اور کار اسٹارٹ ہو گئی۔ کانسٹیبل نے اسے صرف دور سے دیکھ سکا۔ وہ اس کے نمبر بھی نوٹ نہیں کر سکا، کیونکہ نمبر پلیٹ پر کیچڑ جمی ہوئی تھی۔

”ارے جانے دو نا، پاگل کے پیچھے کیوں پڑتے ہو؟“ ایک راہ چلتے نے رک کر کانسٹیبل سے کہا۔

”تم نہیں جانتے یہ اسپتال سے بھاگا ہوا خطرناک پاگل ہے۔ اس کی گرفتاری کے لیے حکم آیا ہوا ہے۔“ کانسٹیبل نے جواب دیا۔ اور پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس یہودی کے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا، جہاں سے وہ فون پر اپنے پولیس اسٹیشن کو اس کے بارے میں خبر کرتا۔

Akram Allahabadi

وہ کار فراٹے بھرتی جارہی تھی ۔ پل عبور کرنے کے بعد اب وہ غیر کاروباری بستی کے علاقے کی چوڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی ۔ یہاں آمدورفت کیونکہ کم تھی، اس لیے کار کی رفتار بھی کافی تیز تھی ۔ پاگل نے پہلے ایک آنکھ کھول کر ماحول کا جائزہ لیا، پھر دونوں آنکھیں کھول دیں ۔ وہ حیران حیران سا ان صورتوں کو دیکھتا ہوا اٹھ بیٹھا ۔ کار چلانے والی ایک سرخ و سفید رنگ کی لڑکی تھی، جس کی پشت اس کی طرف تھی ۔ وہ ہاتھوں پر سفید دستانے پہنے ہوئے تھی ۔ اس کے بال ملائم اور کسی قدر سنہری رنگت لیے ہوئے تھے ۔ کانوں میں سرخ بڑے نگ والے ٹاپس تھے اور کلائی میں دستانے کے اوپر سے ایک سنہری رنگ پڑا تھا ۔ پاگل کے دائیں بائیں دو آدمی بیٹھے تھے ۔ وہ قوی الجثہ اور خوفناک سی شکلوں کے تھے ۔ ٹائی سے بے نیاز ان کے سیاہ رنگ کے سوٹ ان کے چہروں کی کرختگی کو نہ چھپا سکے تھے ۔ وہ دونوں اسے گھور رہے تھے ۔

"یہ کونسا قلعہ ہے؟" پاگل نے چہرے پر فوراً حماقت و معصومیت کے آثار پیدا کرتے ہوئے ان سے پوچھا ۔

"یہ موٹر کار ہے ۔" ان میں سے ایک سنجیدگی سے بولا ۔

"ہشت ۔ یہ ہٹلر کا قلعہ ہے اور میں اس میں سات سو برس قید رہ چکا ہوں ۔ مجھے یاد ہے تم لوگ اس وقت چار رو ر جن فی جھول کے حساب سے بچے دیتے تھے ۔" پاگل نے انھیں گھور کر پوری سنجیدگی سے کہا ۔ اس پر ان میں ایک تو مسکرا دیا، لیکن دوسرے کے چہرے کی درشتگی اور بڑھ گئی ۔ کار ڈرائیو کرنے والی سرخ بالوں والی لڑکی کا انداز بتا رہا تھا کہ جیسے وہ اس گفتگو سے بے نیاز ہے ۔

"بہت ہو چکا، وکٹر ۔ اب ہوش میں آجاؤ ۔"

"یہ آل انڈیا ریڈیو ہے ۔ اب آپ بی بی سی کے نمائندے سے انگریزی میں قوالی سنیے ۔" وہ اس کی بات پر توجہ دیے بغیر بکتا گیا ۔ "جیا بے کرار ہائے ... تیرا انتزار ہائے ... ٹوئنکل ٹوئنکل لعل اسٹار ہائے ... پاؤ آئی وِنڈ روہاٹ یور آ ہائے ... تھری مائنس فور ایڈ جی جیا وں چونگ

چونگ چونگ...‘‘

لیکن پاگل کے اس جواب پر بھی اس آدمی کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

’’واقعی خوب ڈھونگ رچایا ہے تم نے، لیکن اب اس کی کیا ضرورت ہے؟‘‘ وہ پہلے سے کسی قدر زرم لہجے میں بولا۔

’’عرررر...خوں...چند...کہاؤں کہاؤں...کیاؤں کیاؤں...کواؤں کواؤں...آؤں...آؤں...اونہہ...‘‘

’’میں تمھیں وارننگ دے رہا ہوں، وکٹر؟‘‘

’’اس کے پاگل پن پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔‘‘ کار ڈرائیو کرنے والی لڑکی ان کا عکس سامنے ڈیش بورڈ کے آئینے میں دیکھتے ہوئے پیچھے گھومے بغیر بول پڑی۔

’’وکٹر، میں تمھیں پھر وارننگ دیتا ہوں۔‘‘ پاس بیٹھا ہوا آدمی غرایا۔

’’بی بی مینڈ کی ری... میں تو پانی میں کی رانی... بی بی مینڈ ری۔‘‘ پاگل، لڑکی کے بالوں پر نظر جما کر بچوں کی طرح تالیاں بجا کر گانے لگا۔

’’شٹ اپ۔‘‘ لڑکی پلٹ کر حلق کے بل چیخی۔ جس کے جواب میں پاگل نے اسے صرف زبان چڑا دی۔

’’ممکن ہے یہ اسی کا اثر ہو؟‘‘ خوفناک شکل کے آدمی نے مؤدب لہجے میں لڑکی سے کہا۔

’’جب تک اس کی تصدیق نہ ہو جائے، اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسپتال سے بآسانی فرار ہو جانے میں اس کی کامیابی شبے سے خالی نہیں ہو سکتی۔‘‘ لڑکی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

ان کی کار مختلف راستوں سے گزرتی رہی۔ لڑکی سائڈ مرر میں پیچھے چھوٹتی ہوئی سڑک کا عکس دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے اطمینان کی ایک لمبی سانس لی۔

Akram Allahabadi

''کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا ہے، لیکن پھر بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''کار اب چوڑی سڑک کو چھوڑ کر ایک غیر آباد کچی اور تنگ سڑک پر گھوم گئی۔ یہ ساحلی علاقے کا ہی مضافاتی سلسلہ تھا، جہاں جہازی محکمے کے کچھ گوداموں کے بعد ایک موٹر ساز کارخانے کا طویل و عریض احاطہ پھیلا ہوا تھا۔ اس کارخانے کا سنگِ بنیاد رکھا جا چکا تھا اور شیڈ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ اس سے آگے فاصلے سے بنے ہوئے کچھ احاطے دار بنگلے تھے، جن میں سے ایک کے دروازے پر 'ایم بیرٹ کارگو بلنگ ایجنٹ' کی تختی لگی ہوئی تھی۔ کار تیزی سے اس کے احاطے میں گھوم گئی۔ اسے بنگلے کے عقبی دروازے پر روکا گیا۔ سب سے پہلے وہی لڑکی کار سے اتر کر اندر داخل ہوئی تو اس کے بعد وہ دونوں آدمی پاگل کو دونوں طرف بازوؤں سے تھامتے ہوئے اندر چلے گئے۔

ایک تنگ راہداری سے گزر کر وہ ایک دبیز پٹوں والے بند دروازے پر رک گئے۔ دروازے پر باہر کال بیل کا بٹن موجود تھا، لیکن لڑکی نے اسے نہیں دبایا۔ اس نے دروازے پر تین بار دستک دی، جس کے فوراً بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ ان کا استقبال کرنے والا ایک سرخ تانبے جیسی رنگت اور چپٹے چپٹے نقوش والا تنومند آدمی تھا۔ وہ بڑی حد تک نینڈرتھال مین سے مشابہ نظر آتا تھا۔ لڑکی کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہو گئی اور پھر وہ سر کو ذرا سی جنبش دے کر ایک طرف پلٹ گیا۔ لڑکی معہ پاگل اور اپنے ساتھیوں کے اندر داخل ہو گئی۔ وہ آدمی کھڑا دیر تک للچائی ہوئی نظروں سے اس لڑکی کی عریاں سڈول اور گوری پنڈلیاں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کسی جنگلی بھینسے کی طرح ایک لمبی سی پھنکارتی ہوئی سانس لی اور واپس چلا گیا۔

ایک منٹ بعد وہ ایک آراستہ چوڑے کمرے میں موجود تھے۔ یہ کمرہ اپنی ترتیب و تزئین سے مغربی طرز کا معلوم ہوتا تھا۔ یہاں انھیں صوفوں پر بیٹھ کر کسی کا انتظار کرنا پڑا۔ اس کمرے میں چاروں طرف دیواروں پر بڑی بڑی تصاویر آویزاں تھیں، لیکن یہ تمام جانوروں کی

تھیں۔ان میں ایک تصویر ایسی بھی تھی جس پر پاگل کی نظریں کچھ لمحوں کے لیے جمی رہ گئیں۔ ایک مارسوپیل (marsupail) کی تصویر تھی۔یہ عجیب جانور جس کا جسم بچھو سے مشابہ، کان اونٹ جیسے اور کسی سارس کی چونچ کی طرح ایک تقریباً ڈیڑھ فٹ لمبی سونڈ کی شکل میں نظر آ رہی تھی۔امریکی مورخور سے ملتا جلتا تھا۔لیکن خصوصی طور پر یہ آسٹریلیا میں ہی پایا جاتا تھا، پھر وہ چونک کر دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ان تینوں کی توجہ اس پردے کی طرف مرکوز تھی، جو ایک مشرقی دروازے پر لہرا رہا تھا۔ان کے کان کسی کی آہٹ کے منتظر تھے۔اچانک پاگل ان تصویروں میں سے ایک پر غرا کر جھپٹ پڑا۔یہ ایک بڑے بالوں والے بندر کی تصویر تھی۔

''خوں خوں خپ...خوں چیاؤں...'' وہ اچھل اچھل کر اس تصویر کو نوچنے کی کوشش کرنے لگا۔

''وکٹر، سیدھے بیٹھو۔'' خوفناک شکل والے نے اسے ڈانٹا، لیکن وکٹر صوفے پر چڑھ کر ٹارزن کی طرح ایک ہاتھ کا گھونسا بلند کر کے حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکالنے لگا۔ اچانک کمرے میں ایک میز پر رکھا ہوا ماسٹر فون بولنے لگا اور ان لوگوں کی نگاہیں پردے سے ہٹ کر ماسٹر فون پر جم گئیں۔

''اسے اندر لاؤ۔''

وہ حکم ملتے ہی اس پردے کو ہٹا کر اندر داخل ہوگئے۔یہاں ایک بلند چھت والے چوکر سے کمرے میں ایک سنگ خارا کے ٹاپ والی میز کی دوسری طرف ایک اوسط قد وقامت کا تندرست آدمی بیٹھا ہوا تھا، جس کے گندمی چہرے پر چھوٹی فرنچ کٹ داڑھی تھی۔اس نے آنکھوں پر سیاہ عینک لگا رکھی تھی اور اس کے سر پر لگے ہوئے فلیٹ ہٹ نے پیشانی کو ڈھانک رکھا تھا۔وہ دونوں کچھ دور پر ہی مؤدب کھڑے ہوگئے، لیکن لڑکی آگے بڑھ گئی۔

''آپ خود دیکھ لیجیے۔'' اس نے قریب جا کر کہا۔

''ہُم۔'' وہ آدمی پاگل کو گھور کر بولا۔''وکٹر، تم شاباشی کے مستحق ہو۔مجھے امید نہیں تھی

کہ اتنی آسانی سے تم انھیں بیوقوف بنا سکو گے۔'' وہ پاگل سے کہنے لگا۔

''پوہ... پوہ... پوہ...'' وکٹر کتے کی طرح حلق سے آوازیں نکالنے لگا۔

'' کیلی، تم آج اسے اپنی حفاظت میں رکھو، میں صبح تک اس کا فیصلہ کرونگا۔'' اس باس نما آدمی نے لڑکی کو حکم دیا۔ پھر وہ دوسرے دونوں آدمیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''تم جا سکتے ہو۔''

وہ سر جھکا کر اظہار ادب کرتے واپس لوٹ گئے۔ ان کے جاتے ہی وہ پراسرار باس بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''کوشش کرو کہ اسے کچھ پچھلی باتیں یاد آسکیں۔'' یہ کہتا ہوا وہ کھلے ہوئے دروازے میں گھس کر غائب ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ دروازہ آپ سے آپ بند ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آفندی

خان ابھی اٹھ ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔اس نے رسیور اٹھالیا۔دوسری طرف بولنے والا رؤف تھا۔

''وہ لوگ تھرٹین، جی ٹی کراس روڈ پر ایک بنگلے میں داخل ہو گئے ہیں۔'' رؤف نے بتایا۔

''تم نگرانی جاری رکھو، مجھے مزید اطلاعات پہنچانے کی ضرورت نہیں۔'' خان نے یہ کہہ کر رسیور رکھ دیا۔پھر وہ باہر نکل کر کار میں بیٹھ گیا۔اس وقت وہ اکیلا ہی تھا۔

.....

اس وقت رات کے تقریباً گیارہ بج رہے تھے اور وہ لڑکی تیسری بار پاگل کے لیے کھانا لے کر آئی تھی۔دو بار لائے گئے کھانے کو ان تصویروں کو کھلا چکا تھا۔

''تم مجھے زیادہ پریشان کرو گے تو میں تمہیں بند کر کے چلی جاؤں گی۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''کیا تم بالکل بھول گئے ہو، وکٹر؟'' اس کا لہجہ کسی قدر دردناک اور رومانی ہو گیا تھا۔

''کپتان، گھنٹیاں بجاؤ، جہاز ڈوب رہا ہے۔'' پاگل چیخا۔

''تم کچھ بھی بن جاؤ، لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ تم نہیں ہو جو بننے کی کوشش کر رہے ہو۔'' وہ تن کر بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم وکٹر نہیں ہو۔'' اس کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا۔

جواب دینے کی بجائے پاگل اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''میں چاہتی تو اپنے شبے کا اظہار کر کے تمہیں پہلے ہی موت کے گھاٹ اتروا دیتی،

Akram Allahabadi

لیکن میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم کون ہو؟''

''کان مروڑا پیڑا اس چینی۔'' پاگل بولا۔

''اوہ،خدا کے لیے بند کرو یہ اداکاری۔وہ اب آتا ہی ہوگا،تمہاری قسمت کے فیصلے میں تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔میں اب بھی تمہیں بچا سکتی ہوں،بشرطیکہ تم میری مدد کا وعدہ کرو۔''

''تم کیا چاہتی ہو مجھ سے؟'' پاگل نے اچانک سنجیدگی اختیار کرلی۔

''اہا،تو بالآخر تم اصلیت پر آ گئے۔'' وہ چٹکی بجا کر بولی۔

''ہاں۔اور میں سمجھتا ہوں کہ میں کسی خراب چکر میں پھنس گیا ہوں۔'' پاگل کا لہجہ دردناک ہوگیا۔''میں وکٹر نہیں ہوں۔'' وہ ندامت سے سر جھکا کر بولا۔

''تو پھر کون ہو تم؟'' لڑکی نے یہ کہتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔اسے جھرجھری سی آ گئی۔اور لڑکی شوخ انداز میں مسکرادی۔

''میں ایک غریب آدمی ہوں۔میرا نام اعشاریہ ایک ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''جس آدمی کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ ہو،اسے اعشاریہ کے بعد سے شروع ہونا چاہیے۔'' پاگل کا لہجہ کرب و یاس میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کیا تم پولیس کے جاسوس نہیں ہو؟'' لڑکی نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

''پولیس...؟پولیس سے میرا کیا تعلق۔'' وہ سادگی سے بولا۔

''میں تو یہی سمجھتی تھی۔پھر تم کیا کرسکو گے۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگی۔

''میں اب تمہارے لیے سب کچھ کرسکتا ہوں،لیکن پولیس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔'' وہ رومان زدہ نظروں سے لڑکی کے چہرے کو تکتے ہوئے بولا۔

''کیو...؟ایسا کیوں؟''

Akram Allahabadi

''نن... نہ جانے کیوں؟'' وہ گھبرا سا گیا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے زندگی کے اندھیرے میں ایک ٹمٹماتا سا چراغ روشن ہو گیا ہو۔''

''صاف صاف کہو، میں برا نہیں مانوں گی۔''

''تم سے محبت کرنے کو جی چاہتا ہے۔'' وہ شرمائے ہوئے انداز میں سر جھکا کر بولا۔

''خوب، تم اتنی جلدی مجھ پر عاشق بھی ہو گئے۔''

''میں پہلے ہی بدنصیب آدمی ہوں، اگر تم میرے جذبات کو مذاق اڑانا چاہو تو میں کچھ نہ کہوں گا۔'' اس نے اداس ہو کر منہ لٹکا لیا۔

''نہیں نہیں، تم غلط نہ سمجھو۔ مجھے بھی تم سے ہمدردی ہے، ورنہ تم یہاں اتنے آرام سے نہ رہتے۔'' وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں سے خود اوپر اٹھا کر بولی۔

''کیا تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟'' وہ اس سے سوال کر بیٹھا۔

''محبت؟'' وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔ ''اس دنیا میں اس قابل ہے ہی کون؟ سب حرص و ہوس کے بندے ہیں، مکار، فریبی۔''

''میں تو ایسا نہیں ہوں۔'' وہ معصومیت سے کہنے لگا۔

''کیوں؟ کیا تم یہاں دھوکہ دینے نہیں آئے؟''

''نہیں۔ میں تو مجبوراً یہاں آیا ہوں۔ ایک آدمی نے مجھے دو سو روپے صرف اس بات کے دیے ہیں کہ میں اس کا دوسرا حکم ملنے تک پاگل بنا رہوں۔ اس نے میرے چہرے پر نہ جانے کیا کیا تھوپ کر میری شکل بھی بدل دی ہے۔'' اس نے بڑی سادگی سے بتایا۔ ''تمہیں یقین نہ ہو تو تو میرا منہ دھو کر دیکھ لو۔''

''اچھا۔'' لڑکی نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں۔ اور دو سو روپے بھی ابھی تک میری جیب میں ہیں۔ مجھے پاگل پن کی

ایکٹنگ کرنے میں انھیں خرچ تک کرنے کا موقع نہیں ملا۔"

"لیکن تم نے اتنا خطرناک کام قبول ہی کیوں کیا؟"

"خطرناک...؟" نوجوان آدمی چونک کر بولا۔ "مگر اس نے تو کہا تھا کہ وہ اپنے کسی دوست سے مذاق کر رہا ہے۔"

"خیر، بہت ہو چکا۔ اب تم سچ سچ بتا دو کہ تم ہو کون؟" وہ اچانک اس سے دور ہٹ کر سخت لہجے میں پوچھنے لگی۔ نوجوان آدمی نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ پہلے تو وہ خوف زدہ نظر آنے لگا، لیکن پھر اس کے چہرے پر اداسی کے تاثرات اور گہرے ہو گئے۔"

"تم شوق سے گولی مار دو، میں ہوں بھی اتنا ہی بدنصیب۔ بے روزگاری نے تو مجھے کئی کئی فاقے تک کروا لیے، پھر عورت کا پیار کیا تقدیر میں ہوگا۔" کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ساتھ ہی ساتھ لڑکی کے چہرے پر بھی تذبذب و جھنجلاہٹ کے جذبات ابھر آئے۔

"میں نہیں مانتی کہ تم پولیس کے آدمی نہیں ہو، یا تم نے یہ کام محض روپوں کی لالچ میں کیا ہے۔" وہ سر کو جھٹک کر بڑبڑائی۔

"میری تعلیم انٹرمیجیٹ تک ہے اور میں دو سالوں سے نوکری کے لیے مارا مارا پھر رہا ہوں۔ تمہیں یوں اعتبار نہ آئے تو یہ دیکھو، یہ ایمپلائمنٹ ایکسچینج کا کارڈ، شاید یہ تمہاری غلط فہمی کو رفع کر دے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی جامہ نما پھٹی پتلون کی جیب سے ایک بوسیدہ سا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکی نے دیکھا، واقعی وہ فراہمی روزگار کے محکمے کا کارڈ تھا اور اس پر امیدوار کا نام ریاض آفندی اور عمر ۲۸ سال لکھی تھی۔

"تو تمہارا نام ریاض ہے؟"

"ہاں، مگر لوگ آفندی ہی کہتے ہیں۔"

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔''لڑکی نے کارڈ اسے لوٹاتے ہوئے ریوالور سینے کے پاس بنی ہوئی اندرونی جیب میں محفوظ کرلیا۔ یہ جیب شاید اسی سائے کا ایک حصہ تھی، جسے اس خوبی سے سیا گیا تھا کہ اندر رکھے ہوئے پستول کا ابھار باہر سے نظر نہ آتا تھا۔

''صرف ہمدردی؟''نوجوان آہستہ سے بڑبڑایا۔

''میں بہت بری لڑکی ہوں۔مجھ سے محبت کرنے کی حماقت اپنے سر نہ لو، سمجھے۔''وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی، لیکن آفندی نے اس وقت والہانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''زندگی کی دوسری خوشیاں تو مجھے نہ مل سکیں، لیکن کیا اس کے لیے بھی میرا غریب ہونا باعثِ نفرت ہے؟''وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر غمناک لہجے میں بولا۔

''اف...فوہ...تم سمجھتے کیوں نہیں؟ تم...تم بہت غلط جگہ آ گئے ہو۔تمہیں کسی نے اپنے فائدے کے لیے ایک بڑی مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔''وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہنے لگی۔

''مجھے اب مصیبتوں سے ڈر نہیں لگتا، میں ان کا عادی ہو چکا ہوں۔''

''لیکن...لیکن کیا میں تمہیں بتا نہیں چکی کہ میں ایک بری لڑکی ہوں۔''

''مگر مجھے خود بھی اچھائیوں سے نفرت ہو گئی ہے۔نیکیاں انسان کو بھوکا مارتی ہیں اور ان سے دور رہنے والے زندگی کے مزے لوٹتے ہیں۔میں اپنی اس دوکوڑی کی حیثیت سے تنگ آ چکا ہوں۔''وہ یہ کہتے کہتے جوش میں آ گیا۔

''اوہ، چلے جاؤ یہاں سے۔چلے جاؤ۔''لڑکی بھی اس وقت جذباتی ہو گئی۔''ہو سکتا ہے کہ حالات نے تمہیں اندھا کر دیا ہو، لیکن کانٹوں سے بچنے کے لیے انگاروں پر چلنے کی کوشش نہ کرو۔''

''تو پھر میں خودکشی کرلوں گا۔میں یہ اکیلی اجڑی ہوئی دردناک زندگی جینا نہیں چاہتا۔''وہ یہ کہہ کر جوش میں بھرا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، لیکن جیسے ہی وہ دروازے کی طرف جانے لگا، لڑکی سامنے آ گئی۔

Akram Allahabadi

''تم یہاں ٹھہرو، میں ابھی آتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے باہر نکل گئی اور اس نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

آفندی نے کی ہول سے جھانک کر دیکھا۔ دوسرے کمرے میں وہ کسی کو فون کر رہی تھی۔

''جی ہاں۔ اس نے سب کچھ قبول دیا ہے۔ وہ کوئی بیوقوف قسم کا مصیبت کا مارا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اسے دو سو روپوں کے عوض صرف پاگل پن کی اداکاری کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ جی.... یہ وہ خود بھی نہیں جانتا۔ اسے صرف اتنا ہی کام بتایا گیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ کام لینے والا اپنے کسی دوست کے ساتھ ایک مذاق کرنا چاہتا ہے۔... ہاں ہاں، مجھے یقین ہے۔ اس نے خود ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کے چہرے پر میک اپ کیا گیا تھا۔... بالکل بالکل... کسی نے اس طرح ہمارا تعاقب کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ میں اور معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔.... جی ہاں.... مجھے یقین ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے.... جی؟... مگر...'' یہ کہتے کہتے اچانک لڑکی کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس نے دیوار پر نظریں جماتے ہوئے تھکے انداز میں رسیور کریڈل پر رکھ دیا اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف لوٹنے لگی۔ اس کے بشرے کی کیفیت بتا رہی تھی کہ شش و پنج میں مبتلا ہے۔ اس کے دروازہ دوبارہ کھولنے سے قبل ہی وہ نشست پر پہنچ چکا تھا اور کسی غم زدہ فلمی ہیرو کی طرح چہرے کو گمبھیر بنائے چرخ کج رفتار کی جگہ کمرے کی چھت کو ایک ٹک گھور رہا تھا۔

''وہ آدمی کس قسم کا تھا، جس نے تمہیں یہ کام سونپا تھا؟''

''وہ اونچے قد کا رعب دار سا آدمی تھا۔ چہرہ کلین شیو اور بدن پر قیمتی سوٹ۔ وہ کوئی مالدار آدمی ہی معلوم ہوتا تھا۔''

''تمہاری اس سے کب اور کس طرح ملاقات ہوئی تھی؟'' لڑکی اسے گھورتے ہوئے سوال کرنے لگی۔

''میں اپنے واقف کار کے ساتھ نیو انڈیا ریسٹورنٹ میں چائے پی رہا تھا۔اس دوران میں جب اپنے دوست کو میں اپنی پریشان حالی کی داستان سنا رہا تھا، میں نے اس آدمی کو پاس والی میز پر بیٹھے دیکھا تھا۔ جب میں اور میرا ساتھی ریسٹورنٹ سے باہر آئے تو وہی آدمی مجھے ایک سبز رنگ کی کار میں بیٹھا نظر آیا۔میرا ساتھی وہیں سے رخصت ہو کر دوسری طرف چل دیا۔اور جب میں چلنے لگا تو اس آدمی نے اشارے سے مجھے پاس بلا کر کار میں بیٹھنے کو کہا۔پھر سمندر کے کنارے لا کر اس نے کار میں بیٹھے بیٹھے ہی مجھ سے یہ سودا کیا اور دو سو روپے مجھے دے کر مجھے وہیں ایک جھونپڑے میں لے گیا۔اس نے وہاں ایک بکس سے کچھ پاؤڈر وغیرہ نکال کر میرے منہ پر لگائے اور پھر مجھے رخصت کر دیا۔''

''اور کچھ نہیں کہا تم سے؟''

''مجھے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے یہ کام نہ کیا یا اس راز کو کسی پر ظاہر کر دیا تو میرا برا حشر ہوگا۔''

''اوہ، تو تمہیں یقیناً پولیس نے ہمارے خلاف استعمال کیا ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''پولیس نے...؟'' آفندی نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں، ہمیں بتایا گیا ہے کہ محکمہ خفیہ کے سپرنٹنڈنٹ کی کار سبز رنگ کی ہے۔کیا وہ چھوٹی گاڑی تھی؟''

''نہ چھوٹی سی سی تھی اور نہ بڑی۔''

''رہی ہوگی۔تمہارے ذریعے ہم لوگوں کا تعاقب کیا گیا ہے۔''

''تعاقب۔ہاں یاد آیا، اس نے جھونپڑے میں ایک بڑی مونچھوں والے آدمی کو ہدایت بھی کی تھی کہ وہ میرا پیچھا کرے تاکہ میں پیسے لے کر فرار نہ ہو جاؤں۔''

''تم نہیں جانتے کہ تم نے ایسا کر کے اپنے سر کتنی بڑی مصیبت مول لی ہے۔'' وہ ہاتھ ملنے لگی۔

Akram Allahabadi

''کیوں؟''

''تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکتے۔''

''اگر یہ موت تمہارے ہاتھوں نصیب ہو تو مجھے یہ بھی قبول ہے۔ میرے لیے اب تمہارے بغیر زندہ رہنے اور نہ رہنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

''تم... تم گدھے ہو پورے۔'' وہ یہ کہتے ہوئے شدت جذبات سے اپنے ہونٹ چبانے لگی۔ پھر کسی خیال سے آپ ہی آپ اس کے چہرے پر خفیف سی سرخی جھلک آئی۔

''میں تمہاری اصل شکل دیکھنا چاہتی ہو۔''

''شاید گرم پانی سے منہ دھونے پر نظر آجائے۔'' آفندی نے خود ہی تجویز پیش کی۔

غسل خانہ پاس والے روم سے متعلق تھا اور اس کے واش بیسن میں گرم سرد دونوں پائپ موجود تھے۔ جس وقت گرم پانی سے منہ دھو کر آفندی نے اپنے چہرے کو تولیے سے صاف کیا تو وہ اسے ایک ٹک دیکھتی رہ گئی۔

''اچھی خاصی صورت بگاڑ لی تھی تم نے۔'' وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

''نہیں تو، وہ تو رنگ وروغن تھا کچھ۔'' آفندی نے بیوقوفانہ انداز میں جواب دیا۔

''نہ جانے کیوں میرا دل نہیں چاہتا کہ تم موت کے گھاٹ اتار دیے جاؤ۔'' وہ پریشان سی ہو کر کہنے لگی۔ صرف ایک ہی تدبیر ہے، صرف ایک۔ ویسے اس وقت بھی اس عمارت کے باہر دو محافظ موجود ہیں۔''

''تم آخر کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''جس آدمی کے ساتھ یہ خطرناک مذاق کیا گیا ہے، اس کا حکم ہے کہ تمہاری زندگی کا فیصلہ کر دیا جائے۔''

''عجیب بات ہے۔ میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ تم لوگ تو خود ہی مجھے پکڑ کر لائے تھے یہاں۔'' آفندی نے سادگی سے کہا۔

Akram Allahabadi

''تم نہیں سمجھ سکو گے ان باتوں کو۔ خیر، میرے ساتھ آؤ۔'' یہ کہہ کر وہ آگے آگے ہولی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

موت کے منہ میں

وہ ایک چوکور سے چھوٹے کمرے میں آ گئے۔ یہاں لڑکی نے ایک مقفل الماری کے نزدیک دیوار میں لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا دیا، جس کے ردِعمل سے الماری اپنے مقام سے ایک طرف ہٹ گئی اور دیوار کی جڑ میں ایک چوکور خلا نظر آنے لگا۔ لڑکی نے اس میں ہاتھ ڈال کر اندر سے چمڑے کا ایک بیگ باہر کھینچ لیا۔ اس بیگ پر ایک مردے کی کھوپڑی اور کراس کرتی ہوئی دو ہڈیوں کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اسے کھول کر اس نے اس میں سے ایک ڈبہ نکالا، جس کے اندر ایک درجن ٹیوب رکھے تھے۔ ان میں کوئی زرد سے رنگ کا سیال مادہ بھرا تھا۔ لڑکی نے ان میں سے ایک ٹیوب نکال کر ڈبے کو بند کرتے ہوئے اسی چمڑے کے بیگ میں رکھ دیا اور الماری کو دوبارہ اس کی جگہ قائم کر دیا گیا۔ یہ کام بھی اسی بٹن سے لیا گیا تھا۔

"یہ... یہ کیا ہے؟" آفندی نے بھولے پن سے پوچھا۔

"قہقہوں کی موت۔" وہ بڑبڑائی۔ "لیکن اگر تم نے میری ہدایت پر پوری طرح عمل نہ کیا تو کسی قیمت پر زندہ نہ بچ سکو گے۔"

"کیا کرنا ہوگا مجھے؟"

"یہ ٹیوب... اسے باہر جا کر سمندر میں پھینک دینا۔ اس ٹیوب کا انجیکشن تم پر استعمال کیا جانا چاہیے تھا، یا یہی سیال زہر تمہیں کسی شے میں ملا کر کھلا دیا جاتا۔" اس نے وہ ٹیوب اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"اسے بہت احتیاط سے چھپا کر لے جاؤ۔"

"لیکن میں جاؤں کہاں؟"

"جہنم میں۔" وہ جھنجلا گئی۔

Akram Allahabadi

''تم ناراض ہو رہی ہو، لیکن میں تم سے دور ہونے پر مرنے کو ترجیح دے سکتا ہوں۔''

وہ یہ جملہ ادا کرتے ہوئے مجسم عشق نظر آنے لگا۔

''خدا کے لیے چلے جاؤ یہاں سے، ورنہ کسی کو تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی۔''

''اگر تم مجھے دوبارہ ملنے کا وعدہ نہ کرو گی تو میں نہیں جاؤں گا۔''

''اچھا بابا، مل جاؤں گی۔''

''کہاں؟''

''ڈائمنڈ لیک کے اس پار۔ میں کشتی پر مچھلی کا شکار کرتی ہوئی اس طرف آؤں گی۔''

''کب؟''

''کل نہیں تو پرسوں۔''

''تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''تم کو ایک بار پھر اداکاری کرنی ہوگی۔ لیکن پاگل پن سے کچھ مختلف۔ اس عجیب قسم کے زہر کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان تھوڑے تھوڑے وقفے سے آپ ہی آپ ہنسنے اور پھر قہقہے لگانے لگتا ہے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پیر میں کھنچاؤ سا پیدا ہوتا ہے اور منہ سے جھاگ آنے لگتا ہے۔ پھر وہ قہقہے لگاتے ہوئے ہی دم توڑ دیتا ہے۔''

''مجھے بھی یہی کرنا ہوگا؟''

''ہاں، لیکن اس مدت میں تم قہقہے لگاتے ہوئے اتنی دور اور ایسے مقام پر نکل جانا جہاں کوئی تمہیں پا نہ سکے، بلکہ ڈائمنڈ لیک کے اس پار ماہی گیروں کے جھونپڑے تمہارے لیے اچھی پناہ گاہ ہو سکتے ہیں۔'' اس نے سمجھایا۔

''تو شروع کر دوں؟''

''اس طرح نہیں۔ سمجھو کہ اس کا اثر تم پر اب سے پندرہ منٹ بعد شروع ہوگا اور نصف گھنٹے بعد تم ہوش میں نہ ہوگے۔ بس صرف ہنسی اور قہقہے۔ اور ایک گھنٹے سے پہلے پہلے

موت ۔تم سر دست اسی کمرے میں بند رہو گے اور جس وقت میرے ساتھ دوسرے آدمی کمرے میں داخل ہوں، تو تم سر درد اور گھبراہٹ کی شکایت کرنا ۔مجھ سے پوچھنا کہ میں نے تمہیں پانی میں کیا چیز پلا دی ہے ۔اس پر میں ان لوگوں کو ہدایت کرونگی کہ وہ تمہیں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں اور وہ تمہیں باہر پندرہ بیس منٹ تک گاڑی میں گھماتے رہیں گے ۔پھر جب تمہارا پہلا قہقہہ بلند ہوگا، تو وہ تمہیں کسی سنسان مقام پر گاڑی سے اتار دیں گے...خود آگے سمجھ لینا ۔"

"میں سب سمجھ گیا ۔" آفندی نے سر ہلایا ۔

"تو میں جاتی ہوں ۔" یہ کہہ کر وہ پلٹ کر چلی ہی تھی کہ آفندی نے اپنے بازو پھیلا دیے، دوسرے لمحے وہ اس کی گرفت میں تھی ۔نہ جانے کیوں اس نے اس وقت بھی کوئی تعرض نہ کیا۔ جب آفندی نے اپنے تپتے ہوئے ہونٹ اس کے پتلے گلابی ہونٹوں سے پیوست کر دیے ۔چند سیکنڈ بعد ہی لڑکی کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی اور وہ اس کی باہوں میں جھول گئی ۔وہ بیہوش تھی اور آفندی اس چھوٹی سی شیشی کو جیب میں رکھ رہا تھا، جو اس نے لڑکی کو آغوش میں لیتے وقت اپنی اسپتال پتلون نما پاجامے کی ایک چور جیب سے نکالی تھی ۔

پھر وہ اسے میز پر لٹا کر تیزی سے اس الماری کی طرف جھپٹا ۔بٹن دباتے الماری ہٹ گئی اور اس نے چمڑے کا بیگ باہر نکال لیا ۔دوسرے لمحے باقی گیارہ ٹیوبس والا بکس اس کے ہاتھ میں تھا ۔فاضل ٹیوب بھی اس میں رکھ کر اس نے بکس کو بغل میں دبا لیا اور الماری کو اس کے مقام پر لوٹا کر سیدھا ٹیلی فون والے کمرے میں جا پہنچا ۔ڈائل گھماتے ہی دوسرے طرف سے کنیکشن مل گیا ۔

"مسٹر وکٹر گورڈن ایم ۔اے ۔ڈی ۔ایکس ۔وائی ۔زیڈ اسپیکنگ ۔"

"کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"سر دست تو منہ سے بول رہا ہوں ۔آپ کہیں تو ناک سے بولا جائے ۔"

"میں بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں ۔"

Akram Allahabadi

''میں نے قلعہ فتح کر لیا۔''

''بیکار۔اس قلعے میں اس وقت صرف ایک ہی الو بول رہا ہے۔''

''یعنی؟''

''یعنی کہ اس بلڈنگ میں سوائے تم دونوں کے اس وقت اور کوئی نہیں ہے۔''

''ارے واہ، آپ کو دوسرے کی بھی خبر ہے؟''

''ہاں، روؤف باہر موجود ہے۔''

''میں نے اس لڑکی کو بیہوش کر کے ایسے ایک درجن ٹیوب برآمد کر لیے ہیں جن میں...''

''صرف زرد رنگ کا پانی ہوگا۔'' خان نے بات کاٹ دی۔

''ارے، کیا آپ وہاں کوئی جامِ جہاں نما لیے بیٹھے ہیں؟''

''میرا اندازہ ہے۔''

''میں ویسا ہی ایک ٹیوب اپنے قبضے میں کر چکا ہوں، لیکن وہ اصل ہے۔اور یہ میرے ایک درجن...''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اتنا گدھا ہوگا کہ اس قسم کی چیزیں اتنی لاپرواہی سے چھوڑ دے؟''

''جی نہیں، بلکہ اس لڑکی نے انھیں ایک چور خانے سے نکالا تھا۔'' بالے نے بتایا۔

''تب تو اسے بھی بیوقوف بنایا گیا ہے۔وہ کہاں ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''میں نے اسے بیہوش کر دیا ہے۔''

''تو ٹھہرو۔'' خان ایک لمحے کے لیے رکا۔''کیا اس کمرے میں یا اس کے پاس کسی دوسرے کمرے میں کوئی دیوار گیر گھڑی موجود ہے؟'' خان نے سوال کیا۔

''اگر آپ کی مراد کلاک سے ہے تو اس کمرے میں موجود ہے۔''

Akram Allahabadi

''کیا بجا ہے اس میں؟'' خان نے پوچھا۔

''۱۲ بج کر ۲۵ منٹ۔'' بالے نے بتایا۔

''اوہ..تم جلد از جلد اس لڑکی سمیت اس عمارت سے نکل جاؤ۔''

''کیوں؟''

''وہ ۱۲ بج کر ۴۰ منٹ پر تباہ کر دی جائے گی۔'' وہ بولا۔

''مگر آپ کو کیسے...؟''

''یہ باتوں کا وقت نہیں، صرف ۵ منٹ باقی ہیں۔ اچھا ہوا جو تم نے فون کر لیا، ورنہ میں بھی دھوکا کھا گیا تھا۔ جلدی کرو، میں بھی آ رہا ہوں۔''

اس کے بعد خان نے ہی ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ بالے کو گھبراہٹ سوار ہو گئی۔ صرف پانچ منٹ باقی تھے اور خان کا اندازہ کبھی مشکل ہی سے غلط نکلا ہو گا۔ اس نے لڑکی کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور دروازے سے نکل کر بڑے کمرے میں آ گیا، لیکن وہ یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ اس کمرے کا باہر راہداری میں کھلنے والا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس کے دوسرے دروازے اور کھڑکیاں بھی بند تھیں اور پاس والے کمرے سے کلاک کی ٹک ٹک ہر لحظہ ان کی موت کو ان سے قریب تر کرتی جا رہی تھی۔ اس نے لڑکی کو صوفے پر ڈال دیا اور اس کا ہی ریوالور نکال کر دروازے کے کی ہول میں فائر کر دیا، لیکن بے سود۔ نہ جانے باہر سے اسے کس طرح بند کیا گیا تھا وہ نہیں کھلا۔ کھڑکیوں میں تنگ آہنی جالی کے ساتھ ڈھلا ہوا شیشہ لگا ہوا تھا اور اول تو اس کا ٹوٹ کر علیحدہ ہونا ناممکن تھا اور ایسا ہو بھی جاتا تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ پھر اس نے روشندان سے باہر نکلنے کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کیا، لیکن یہ بھی ناممکن تھا۔ روشندان چھت سے ذرا نیچا تھا اور وہاں تک پہنچنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے علاوہ اس میں آہنی سلاخیں بھی لگی تھیں۔ وقت گزرتا جا رہا تھا اور عرصۂ حیات تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ زندگی اور موت میں اب صرف ایک منٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا اور حقیقتاً اس وقت بالے نروس سا ہو گیا۔ ایک منٹ

Akram Allahabadi

...اور پھر...ایک خوفناک دھماکہ اور...لیکن ٹھیک اسی وقت اسے کمرے کی کھڑکی کے شیشوں پر باہر سے پڑتی ہوئی روشنی دکھائی دی۔پھر کوئی پوری قوت سے باہر سے چیخا۔وہ یقیناً خان کی آواز تھی۔

''بالے...فوراً پیچھے ہٹ کر پشت کی دیوار سے لگ جاؤ۔''

اور اس وقت بالے کو اس قدر بھی ہوش نہ رہا کہ وہ صوفے پر سے اس بے ہوش لڑکی کو بھی ہٹا لیتا۔وہ پشت والی دیوار سے آ کر ٹکا ہی تھا کہ ایک دھماکے کے ساتھ کمرے کے سامنے والے دروازے کے پرخچے اڑ گئے۔باہر سے خان نے اس پر چھوٹا دستی بم (ہینڈ گرینیڈ) مارا تھا۔بالے نے ایک جست ماری اور شکستہ دروازے سے باہر جا گرا۔اس وقت اسے صرف اس قدر ہوش رہا کہ چار مضبوط ہاتھوں نے اسے سہارا دے کر اٹھا لیا ہے اور بے تحاشا دوڑ رہے ہیں۔پھر تقریباً تیس سیکنڈ کے بعد ہی پوری عمارت ایک خوفناک دھماکے سے لرز گئی۔اور بالے نے غنودگی کی سی کیفیت میں اس کے درمیانی حصے کو معہ چھت کے پھٹ کر کئی فٹ اوپر اڑتے دیکھا۔ملبے کی کچھ اینٹیں،لکڑی اور چونے کے ٹکڑے اور سلاخیں ان کی طرف بھی اڑ کر آئیں، لیکن وہ ان کی زد سے محفوظ ہی رہے۔بالے نے دو تین بار سر کو جھٹک کر اپنی کیفیت کو سنبھال لیا۔اس کے داہنے بائیں سپرنٹنڈنٹ خان اور انسپکٹر شاہ کھڑے تھے۔وہی غالباً اسے اس دروازے کے سامنے سے اٹھا کر بھاگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

کچھ دیر بعد وہ اس لڑکی کی کچلی ہوئی لاش کو ایمبولینس میں رکھوا کر واپس لوٹ رہے تھے اور اسی بنگلے کے گرد اطراف کے لوگوں کا ہجوم تھا، جسے ڈیوٹی پر لگائے گئے کانسٹیبل عمارت سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔اس لڑکی کی لاش اس بری طرح بگڑ گئی تھی کہ اس کی شناخت بھی ممکن نہ تھی۔

''آج واقعی میں موت کے منہ سے نکلا ہوں۔'' خان کی کار میں اگلی نشست پر بیٹھے

بیٹھے بالے نے کچھ دیر قبل کے روح فرسا لمحات کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے کہ تم دم سے نہیں نکلے۔'' خان نے اسے چھیڑتے کے موڈ میں کہا۔

''میں اس نئی دریافت پر ریسرچ کروں گا۔''

''وہ لڑکی زندہ رہ جاتی تو اس سے کافی فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔'' خان لڑکی کے بارے میں سوچتے ہوئے بولا۔

''لیکن آپ کو کیسے خبر ہو گئی تھی کہ ایسا ہونے والا ہے۔میرا خیال کے ہے اس کلاک میں کوئی ٹائم بم نصب ہو گا۔''

''خیال ٹھیک ہے۔تمہارا فون آنے سے قبل، میں اس نامعلوم آدمی کا ہی تعاقب کر کے لوٹا تھا، جو تمہیں اس لڑکی کی سپردگی میں دے کر اسی عمارت کے ایک خفیہ پچھلے راستے سے نکلا تھا۔اس کے کمپاؤنڈ میں پیچھے کی طرف احاطے کی دیوار کا ایک تین فٹ چوڑا ٹکڑا اس طرح نصب ہے کہ اسے دھکیلنے سے وہ ریوالونگ گیٹ کی طرح کھل جاتا ہے۔''

''لیکن وہ تھا کون؟''

''اپنی فرنچ کٹ داڑھی اور گہرے سیاہ چشمے کی وجہ سے اس کی شکل صحیح طور تو پہچانی نہیں جا سکی، لیکن اس کا تعاقب بے سود نہیں رہا...''

''یعنی وہ پکڑ لیا گیا؟''

''نہیں، وہ بچ نکلا۔وہ ایک جگہ اپنی کار روک کر ایک سنسان پبلک ٹیلی فون بوتھ سے کسی کو فون کر رہا تھا اور میں بدقت تمام بوتھ کے روزندان سے اس کے کچھ الفاظ سن سکا کہ وہ تحکمانہ لہجے میں کسی کو ہدایت کر رہا ہے کہ ڈینی کے رنگ اچھے نہیں ہیں، نظر رکھو اندیشہ ہو تو کلاک پر ۴۰۔۱۲ بجا کر نکل آؤ۔پھر تمہارے فون سے میرے اس شبے کو تقویت مل گئی کہ اس نے یہ ہدایت اس بنگلے میں موجود اپنے آدمیوں میں سے کسی کو دی تھی۔ڈینی نام اسی لڑکی کا رہا ہو گا۔کیا وہ اپنے باس کے متعلق کچھ باغیانہ خیالات رکھتی تھی؟' خان نے بالے سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''وہ مجھے سمجھا رہی تھی کہ تم اس دلدل میں کیوں آ پھنسے۔اور کہتی تھی میں بہت بری لڑکی ہوں۔''بالے نے بتایا۔

''تب تو بالکل ٹھیک ہے۔یہ اس کی ضمیر کی بغاوت ہی تھی۔''

''لیکن وہ اصلی اور نقلی ٹیوبس کا معاملہ؟''

''ڈینی کی وفاداری کی آزمائش اور ٹائم بم والی اسکیم کے ناکام ہونے کی صورت میں پولیس کو ان ٹیوبس کے ذریعے مغالطے میں ڈالنا ہی ان نقلی ٹیوبس کا مقصد تھا۔وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔''

''اس نے ایک پرانا طریقہ استعمال کیا تھا۔دراصل اسے شبہ ہوگیا تھا کہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں،اس لیے وہ اپنی کار نیشنل پارک کے باہر روک کر پیدل پارک میں داخل ہوگیا اور میں جیسے ہی فوارے والی روشنی پر پہنچا،اس نے ٹیئر گیس کا دستی بم میرے قریب ہی پھینک مارا۔''

''لیکن اس کی کار؟''

''وہ اب بھی ہمارے پاس محفوظ ہے،لیکن وہ کار اس کی نہیں،بلکہ اسی پارک کے کار اسٹینڈ سے ایک دن قبل چرالی گئی تھی۔اس کار کی رپورٹ پیڈ روڈ کے پولیس اسٹیشن پر اس کا مالک لکھا چکا تھا۔پھر کون سوچ سکتا کہ اس گم شدہ کار کو پھر اسی مقام پر لاکر کوئی چھوڑیگا۔''

''اور اس کے وہ دونوں آدمی؟''

''وہ حوالات میں بند ہیں۔''

''تو کیا اس واقعے کے بعد اس نے انھیں خطرے سے آگاہ بھی نہیں کیا تھا؟''

''تمہارے بیان کے مطابق گیارہ بجے اسے اس لڑکی نے فون کیا تھا،اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پہنچ چکا ہوگا اور اس طرح یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے آدمی اس سے پہلے ہی اس کی ہدایت پر عمل کر کے اس عمارت کو چھوڑ چکے ہوں گے۔ان کو اس

کا پیغام پہنچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"آپ کہہ رہے تھے کہ اصل ٹیوب آپ کے پاس ہے۔" بالے بولا۔

"ہاں، یہ بھی اتفاق سے ہاتھ لگا، کیونکہ پارک میں روش کے کنارے جس جھاڑی کی آڑ میں اس نے چھپ کر وہ گیس بم پھینکا تھا، وہ خاردار تھی اور شاید فرار ہوتے وقت اس کی کوٹ کی جیب کانٹوں میں اٹک گئی ہوگی، جس کے پھٹ جانے سے وہ ٹیوب وہیں پر گر پڑا اور جلدی میں وہ اس کی طرف دھیان دیے بغیر نکل گیا۔ ان کانٹوں میں اس کے کوٹ کی جیب کے کپڑے کا ایک ٹکڑا الجھا رہ گیا تھا۔" خان نے بتایا۔ "یہ ٹیوب مجھے وہیں پڑا ہوا ملا تھا۔"

"اس گدھے نے اس عمارت کو اڑا کر کیس کو باقاعدہ اہم بنا دیا ہے، ورنہ قہقہوں سے واقع ہونے والی اموات کی وارداتوں کے لیے یہ ثابت کرنا مشکل ہوتا کہ وہ کوئی پراسرار بیماری کا نتیجہ نہیں ہے۔"

"میں نے ارادہ دریافت کیا تھا؟"

"سردست ہمیں کیس کے اس پہلو پر پھر لوٹنا پڑے گا۔ ڈاکٹر جیٹھا کون سا عجیب انکشاف کرنے والے تھے۔"

"کوئی بات نہیں۔ آدمی کو ماؤنٹ ایورسٹ تک چڑھ کر بھی لوٹنا ہی پڑا تھا۔"

"پرسوں آسٹریلوی سفارت خانے کی طرف سے ریڈیو کلب میں آسٹریلیا کے پارلیمانی وفد کے اعزاز میں ایک پارٹی ہے اور تمہیں اس میں شریک ہونا پڑے گا۔"

"اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ لیکن کس حیثیت میں؟"

"ایک اخباری نمائندے کی حیثیت سے۔"

"اگر کسی نے اپنی ہی خبر لے ڈالی تو؟ چہ نسبت سارجنٹ را بہ عالمِ صحافت۔"

"مکاری مجھ سے نہیں چلے گی۔"

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

حراست میں

قہقہوں سے واقع ہونے والی پراسرار موتوں کی وارداتوں میں دو مزید وارداتوں کے اضافے نے شہر میں اور سنسنی پھیلا دی۔ یہ وہی دونوں آدمی تھے جنہیں خان کے حکم سے تباہ شدہ عمارت سے نکلتے ہی حراست میں لے لیا گیا تھا۔ گزشتہ شب پولیس حوالات میں ہی ان پر اسی قہقہوں والی پراسرار بیمارے کے دورے پڑنا شروع ہو گئے۔ ان کی موت کو نزدیکی سمجھ کر انھیں فوراً ایمبولینس کے ذریعے اسپتال منتقل کر دیا۔ ان کی حالت ڈاکٹر جیٹھا کی طرح ہو گئی، لیکن حیرتناک بات یہ تھی کہ ان دونوں کی کڑی نگرانی کی گئی تھی۔ ان سے کسی وکیل یا ملاقاتی کو ملنے تک کی اجازت نہ تھی۔ پھر یہ واردات کس طرح وقوع پذیر ہوئی؟ ان قیدیوں کو کھانا بھی سلاخوں کے ذریعے ہی دیا گیا تھا، جسے کھانے سے انھوں نے بہر حال انکار کر کے پولیس والوں کو درجنوں مغلظات سنائی تھی۔ پھر ان پر تیسری ڈگری کا استعمال کیا گیا، لیکن بے سود۔ وہ ہر قسم کی مصیبت سہہ گئے، لیکن منہ سے ایک لفظ نہ نکالا۔ وہ عادی قسم کے مجرم ہوئے تھے، ورنہ کچھ نہ کچھ ضرور قبول دیتے۔ بہر حال خان نے انھیں ایک دن سوچنے کی مہلت دی تھی تا کہ وہ اس بات پر غور کر سکیں کہ اقبالی جرم کے بعد شاہی گواہ بننے سے ان کے گناہوں کا بار کسی حد تک ہلکا ہو سکتا ہے۔ یہ مجرم بہر حال مقامی پولیس کے ریکارڈ پر نہ تھے۔ اس لیے صحیح طور سے یہ جاننا بھی مشکل تھا کہ وہ کون ہیں۔ اس قسم کے مجرموں کو اس طرح مہلت دینے میں کونسی مصلحت تھی، یہ صرف خان ہی جان سکتا تھا۔ ویسے اسے اس بات کا اختیار تھا کہ وہ ان سے جس طرح چاہے نپٹے۔

ان وارداتوں کے پس پشت جو کوئی بھی طاقت رہی ہو، لیکن اس بات میں شبہ نہیں کہ وہ بہت چالاک اور پراسرار تھی، ورنہ پولیس حوالات میں دو قیدیوں تک اپنا اثر ڈالنا کوئی

معمولی کام نہ تھا، جب کہ ان قیدیوں پر کڑی نگرانی رکھی گئی تھی۔ ویسا تناسب کچھ ہو کر بھی ابھی تک پولیس جو نتیجہ اخذ کر چکی تھی، وہ یہی تھا کہ یہ واردا تیں بہر صورت کسی پراسرار مجرمانہ طریق کار کا نتیجہ نہیں۔ البتہ اس عجیب وغریب سلسلے کی پشت پر کون سی طاقت تھی، یا وہ کونسی نا معلوم شخصیت تھی، جو بید ریغ اس طرح خون بہا رہی تھی۔ اس کا کوئی سراغ ابھی تک نہیں مل سکا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ سوائے نظریاتی اندازے کے ابھی تک ان جیسے حوصلہ مند سراغرساں کو بھی کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہو سکی تھی۔ بظاہر معاملات جہاں سے چلے تھے، وہیں پھر آ رہے تھے اور خان اگر ایک طرف اس کے ذرائع کو بے نقاب کرتا آ رہا تھا تو دوسری طرف وہ نا معلوم وجود انھیں یکے بعد دیگرے ختم کرتا چلا جاتا تھا۔ گزشتہ شام کی اس واردات نے خان کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ کچھ سوچے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دعوت

ریڈیو کلب میں منعقد ہونے والی دعوت میں دور سے نمایاں دکھائی دینے والے لونگ فیلو کے ساتھ بغل میں کیمرہ لٹکائے بالے بھی قبل از وقت موجود تھا۔ کلب میں پرائیوٹ پارٹیوں کے لیے مخصوص ایک ہال میں آسٹریلوی سفارتخانے کی طرف سے دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔ بالے حیران تھا کہ خان نے اسے اس دعوت میں اس حیثیت سے کیوں بھیجا، لیکن اسے خان کی صلاحیت پر اتنا یقین ضرور تھا کہ اس کے اندازے شاید ہی کبھی غلط نکلتے ہوں۔

ٹھیک سات بجے مہمان آنے شروع ہو گئے، مگر بالے کی نگاہ ایک ۲۲۔۲۰ سال کی عمر کی لڑکی کی عریاں پنڈلیوں پر جمی رہ گئی، جو ایک ٹرے میں کچھ سینڈوچ رکھے ہوئے مہمانوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے عقبی دروازے سے ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ ہال میں داخل ہو کر وہ کچھ لمحات کے لیے ایک جگہ ٹھٹکی اور ایسے دیکھنے لگی جیسے وہ کسی کو تلاش کر رہی ہو۔ بالے کو اس لڑکی کی یہ حرکت کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ اچانک وہ لانگ فیلو کو ایک منٹ انتظار کرنے کی ہدایت دیتا ہوا اس لڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ لڑکی اب آگے بڑھ چکی تھی۔

وہ اطراف سے لگی میزوں کے درمیان والے تنگ سے راستے سے جب وہ لڑکی گزر رہی تھی تو کسی کے شانے کی ٹکرا جانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے ٹرے چھٹک کر دور جا پڑی۔ اس نے غصیلی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا، جس نے پہلے تو بدتمیزی کے ساتھ گزرتے ہوئے اپنے شانے سے اس کے ہاتھ کی ٹرے الٹا دی تھی اور اب وہ ساری کہہ کر گرے ہوئے سینڈوچ ٹرے میں دوبارہ رکھنے لگا تھا۔

اس شخص کے کندھے سے لٹکتا ہوا کیمرہ بتا رہا تھا کہ وہ کوئی پریس رپورٹر ہے۔ اور جس وقت وہ لڑکی بھی جھک کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی گرے ہوئے سینڈوچز میں سے کوئی

چیز تلاش کر رہی تھی، اس وقت بالے بجلی کی سی تیزی سے ایک سینڈوچ کے درمیان میں رکھے ہوئے چھوٹے سے کاغذ کو اپنے قبضے میں کر چکا تھا اور بقایا سینڈوچ ٹرے میں رکھ کر چل دیا تھا۔ لڑکی ٹرے میں سینڈوچ رکھنا بھول کر گھبراہٹ میں ادھر ادھر کوئی چیز تلاش کر رہی تھی۔ ہر لمحے اس کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس وقت اس نے اس پریس رپورٹر کو سرگوشی کے لہجے میں کہتے سنا۔ ''جس چیز کو تم تلاش کر رہی ہو، وہ میرے قبضے میں ہے۔ اگر تم اسے واپس لینا چاہو تو ہال کے پچھلے کمرے میں پہنچ جاؤ۔'' لڑکی نے غور سے اس پریس رپورٹر کو دیکھا۔ اور پھر ٹرے میں سینڈوچ رکھنے لگی۔ بالے اس جگہ سے ہٹ گیا۔

جب تھوڑی دیر بعد وہ ہال کے پچھلے کمرے میں پہنچی تو بالے وہاں موجود تھا اور اس نے داخل ہوتے ہی اس سے سوال کیا۔ ''تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟''

''میں نے تو تمہیں نہیں بلایا، تم خود ہی کسی چیز کی تلاش میں یہاں آئی ہو۔'' بالے نے کسی گھٹیا قسم کے بلیک میلر کے لہجے میں کہا۔

''کیا وہ چیز تمہارے پاس ہے؟''

''ہاں۔ اور تم چاہو تو تمہارے پاس واپس آ سکتی ہے۔''

''تو پھر مجھے دے دو، مجھے جلدی ہے۔''

''کیا بہت زیادہ جلدی ہے۔'' بالے نے خواہ مخواہ کی دیر کرنی چاہی، لیکن لڑکی اس بے وقت کی گفتگو سے کچھ پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اس نے کچھ جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اگر تمہارے پاس ہے تو پھر جلدی سے دے دو نا۔''

بالے نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں، ان میں خوف تھا اور لہجے میں بے چارگی تھی۔

''لیکن تمہیں دے دینے سے مجھے کیا فائدہ؟'' اس نے اسے زچ کرنے کے لیے مزید گفتگو جاری رکھنے کی کوشش کی۔

Akram Allahabadi

''فائدہ؟''لڑکی نے دیر ہوتے دیکھ کر اضطراب سے کہا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو؟''

''صرف پانچ سو روپے۔''

''نہیں، یہ بہت ہیں۔ میں تمہیں سو روپے دے سکتی ہوں۔''اس نے ایک دم چار سو روپے کی رعایت طلب کرنی چاہی۔

''میں نقد لیا کرتا ہوں....

''ہاں، یہ لو۔'' کہتے ہوئے لڑکی نے اپنے بلاؤز میں ہاتھ ڈالا اور ایک چھوٹا سا پرس نکال لیا۔ بالے کے خیال میں بھی نہ تھا کہ اس کے پاس سو روپے نقد مل سکے گا، لیکن لڑکی اس پرس سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ چکی تھی۔ بالے نے بھی کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک مڑا ہوا کاغذ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ لڑکی اتنی تیزی میں تھی کہ اس نے یہ تصدیق کرنے کی ضرورت بھی نہ سمجھ کہ آیا وہ کاغذ وہی تھا یا کوئی اور۔ بالے بھی تیزی سے دوسرے دروازے کے ذریعے ہال میں پہنچ گیا۔ وہاں لانگ فیلو اپنی لمبی گردن ادھر ادھر گھما کر اسے تلاش کر رہا تھا۔ مگر بالے کو اس لڑکی کی تلاش تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کاغذ سینڈوچ کے ذریعے کسی شخص تک پہنچایا جاتا تھا۔

ہال کی قریب قریب تمام نشستیں پر ہو چکی تھیں اور ابھی تک وہ یہ نہ جان سکا تھا کہ خان نے اسے اس دعوت میں شامل ہونے کے لیے کیوں بھیجا تھا۔ اب اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ اس کے اس سوال کا جواب اس بات پر منحصر ہے کہ وہ لڑکی کس کے پاس وہ پیغام پہنچاتی ہے۔ اس کے خیال کے مطابق خان کا اشارہ یقیناً وہی شخص ہو سکتا تھا جسے لڑکی وہ عجیب و غریب پیغام سینڈوچ میں رکھ کر دے۔ بالے اس پرچے کو کھول کر پڑھ چکا تھا۔ اس میں انگریزی میں لکھا تھا۔

''تمہاری چیز میرے پاس ہے۔ معاملہ طے کرنے کے لیے مجھ سے ملو۔''

لڑکی کے خوف کی وجہ سے بالے اتنا تو سمجھ چکا تھا کہ اگر وہ لڑکی کسی گروہ کی ممبر ہے تو سینڈوچ کی ٹرے کے گر جانے کی بات کو وہ سرے سے ہی گول کر جائے گی، کیونکہ بالے کا تجربہ کہتا تھا کہ عام طور پر ایسے گروہوں کے باس پانے ممبر کی اس قسم کی لغزشوں کی سزائیں معاف نہیں کیا کرتے۔

بالے اب ہال میں موجود مہمانوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک امید کی کرن کی طرح وہ لڑکی اسے پھر ہال میں دکھائی دی۔ اب بھی اس کے ہاتھ میں وہی ٹرے تھی۔ اس نے ہال کے سرے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر ڈالی اور پھر ایک کنارے بچھی ہوئی میز کی طرف بڑھنے لگی۔

بالے نے دیکھا کہ وہ راستے میں کہیں نہ رکی تھی اور جس میز پر اب آ کر اس نے ٹرے پیش کی تھی، اس پر اس وقت صرف تین آدمی بیٹھے تھے۔ ایک تو ایک تانبے کی سی رنگت والا، ایک قد آور آدمی تھا، جس نے پوشاک تو ماڈرن سوسائٹی کے مطابق پہنی ہوئی تھی، لیکن اس کا چہرہ اور اس کے بیٹھنے کا ڈھنگ ظاہر کرتا تھا کہ وہ اس قسم کی سوسائٹی کا عادی نہیں ہے، اور اس کے ساتھ والے دونوں آدمی ناٹے قد کے اور بھاری جسموں کے مالک تھے۔ تینوں ہندوستانی معلوم نہ دیتے تھے۔

لڑکی کی طرف سے ٹرے پیش ہوتے ہی اس تانبے کی رنگت والے آدمی نے وہ سینڈوچ لے لیا جو کہ الگ ہی ٹرے کے ایک کنارے پر رکھا تھا۔ اس میں سے نکلنے والے کاغذ کو دیکھ کر پہلے تو وہ چونکا، پھر اس نے ایک نظر کاغذ پر ڈالتے ہوئے اسے جیب میں ڈال لیا اور اپنے ساتھیوں سے بات چیت کرنے لگا۔

وہ لڑکی چلی گئی۔

بالے نے اب اس تانبے کی رنگت والے شخص کے نزدیک کسی خالی میز کی تلاش کے لیے نظر ڈالی جہاں کہ وہ بیٹھ کر ان کی گفتگو سن سکے، لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ اس کے اردگرد کی

تمام نشستیں پر تھیں۔اس میز سے دو میزیں ہٹ کر صرف ایک ایسی تھی جس پر صرف دو غیر ملکی، جو کہ غالباً آسٹریلوی تھے، بیٹھے تھے۔ان میں سے ایک تو صنفِ نازک سے تعلق رکھتی تھی اور دوسرا ایک ادھیڑ عمر کا مرد تھا اور باقی دو کرسیاں خالی تھیں۔حالانکہ اس میز پر بیٹھ کر مطلوبہ اشخاص کی گفتگو کو سن سکنا اس کے لیے ناممکن تھا، پھر بھی وہ کسی امکانی امید پر آگے بڑھ کر اس میز کے پاس آ پہنچا۔ان دونوں غیر ملکیوں نے اس کے اجازت طلب کرنے پر خندہ پیشانی سے اسے خالی کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ویسے بھی پریس رپورٹروں پر ہر غیر ملکی اپنا اچھا تاثر چھوڑنا چاہتا تھا۔

امید کے مطابق وہ اس میز پر بیٹھ کر تانبے کی رنگت والے شخص کی گفتگو تو نہ سن سکا، البتہ ان غیر ملکیوں کے ساتھ آدھ گھنٹہ بیٹھ کر بالے نے اتنا جان لیا کہ یہ دونوں، عورت و مرد، آسٹریلوی وفد کے ممبرز ہیں۔ان سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ تانبے کی رنگت والا آدمی بھی آسٹریلوی وفد کا ہی ایک ممبر ہے جو کہ آسٹریلیا کے قبائلی علاقے نیوگنی کی نمائندگی کرتا ہے اور اس کا نام کنگزوے ہے۔

''آپ کا وفد کتنے دنوں سے یہاں آیا ہوا ہے؟'' بالے نے احمقانہ سا سوال کر ڈالا اور اس کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

وہ آسٹریلوی لڑکی مسکرائی اور بولی۔''آپ پریس رپورٹر ہیں اور آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ آپ کے ملک میں آسٹریلوی وفد کب سے آیا ہوا ہے۔''

بالے کی پیشانی پر پسینہ آ گیا۔اسے اپنی غلطی محسوس ہوئی کہ اسے اس قسم کی معلومات سے پہلے ہی سے لانگ فیلو سے حاصل کر لینی چاہئیں تھی۔اب مزید گفتگو جاری رکھنے سے اور حماقتوں کے سرزد ہو جانے کی توقع تھی، اس لیے گھبرا کر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''تو پھر میں کسی اور وقت آپ لوگوں کا انٹرویو لونگا، اس وقت میں ذہنی طور پر اپنے گھر پہنچا ہوا ہوں۔میری بیوی سخت بیمار ہے۔''اس نے ان سے رخصت طلب کرتے ہوئے

کہا،لیکن اس کا یہ جملہ پاس آتے ہوئے لانگ فیلو نے بھی سن لیا تھا۔

''شاید یہی وجہ ہے کہ آپ گڑبڑائے ہوئے ہیں۔''بوڑھے آدمی نے نرمی اور ہمدردی سے کہا۔

''جی ہاں، جی ہاں۔اچھا۔''یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ان سے ہاتھ ملا کر چلنے لگا۔لانگ فیلو اس کے قریب آ گیا۔

''بیوی خواب میں بھی نصیب ہوئی تھی تمہیں، بالے بھائی؟''اس نے ساتھ چلتے چلتے اس پر فقرہ کسا۔

''خواب میں تم جیسوں کو نصیب ہوتی ہے۔اپنی بیوی تو اپنی جیب میں رہتی ہے۔'' بالے نے کہا۔

''ذرا میں دیکھوں۔''

لیکن جب اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ خود حیران رہ گیا۔اس کی جیب میں کوئی سخت سی، ڈھائی تین انچ لمبی سی چیز پڑی تھی، جو یقیناً یہاں آنے سے پہلے تو اس کی جیب میں نہ تھی۔وہ ہال سے باہر نکل آیا۔برآمدے میں اس وقت کوئی موجود نہ تھا۔اس نے جیب سے وہ ٹھوس سی چیز نکالی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔یہ ایک چھوٹی سی سونے کی مورتی تھی، جس کی لمبائی بمشکل ڈھائی انچ رہی ہوگی۔مورتی خوبصورتی سے ڈھالی اور تراشی گئی تھی۔وہ ایک برہنہ عورت کی مورتی تھی، جس کے جسم کے درمیانی حصے پر باریک باریک بالوں کے نقوش ابھار دیے گئے تھے۔اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ وہ کس طرح اس کی جیب میں آ گئی۔بہرحال وہ جیسے بھی آئی ہو،مگر یہ ایک یقینی بات تھی کہ اس کلب میں اس کی جیب تک کسی کا ہاتھ پہنچا تھا۔

''کیا یہی ہے تمہاری بیوی؟''لانگ فیلو نے اپنی گردن اونچی کر کے دیکھتے ہوئے پوچھا۔وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

''سردست یونہی سمجھ لو۔''

''چلو سمجھ لیا، پھر اب؟''

''تم واپس جاؤ میں یہیں ٹھہروں گا۔''

لانگ فیلو کچھ بولے بغیر واپس چلا گیا۔ بالے برآمدے کے سامنے والے حصے سے ہٹ کر اس عقبی کھڑکی کے نزدیک آ کھڑا ہوا، جہاں سے وہ اندر تک کا منظر صاف دیکھ سکتا تھا۔ اندر وہ تانبے جیسی شکل کا آدمی ابھی تک اپنے ساتھیوں سمیت بیٹھا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی کلائی کی گھڑی دیکھتا جاتا تھا۔ پھر بالے نے دیکھا، وہی لڑکی جو اس سے اس کاغذ کے پرزے کا سودا کر چکی تھی، ہال میں سے گزرتے ہوئے اسے کچھ اشارہ کرتی ہوئی نکل گئی۔ تانبے جیسی شکل والا فوراً بعد ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اب اس کے قدم عقبی حصے کی طرف اٹھ رہے تھے، لیکن وہ کافی محتاط نظر آ رہا تھا۔ بالے نے برآمدے سے نیچے جست کر کے خود کو اس کی نظروں سے محفوظ کر لیا تھا، لیکن وہ جس جگہ چھپا تھا، وہ آدمی ٹھیک اسی جگہ آ کر رکا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ شاید وہ کسی کا منتظر تھا۔ پھر اس نے ہولے سے منہ سے سیٹی بجائی، جس کے جواب میں اسے ویسا ہی جواب سنائی دیا۔ یہ آواز کلب کے عقبی حصے میں فصیل کے نیچے سے آئی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے فصیل کی اوٹ سے دو آدمی نکل کر اس کے سامنے آ گئے۔ وہ دونوں بھی شکل و رنگ کے اعتبار سے اس اسی طرح کے تھے، لیکن وہ اتنے قد آور اور تنومند نہ تھے۔ وہ اس کے سامنے آ کر مؤدب ہو گئے۔ تانبے جیسی شکل والے نے ان سے تحکمانہ لہجے میں نہ جانے کون سی زبان میں کچھ کہا، جسے وہ مؤدب رہ کر سنتے رہے، صرف ان کے سر اثبات میں ہل رہے تھے۔ پھر وہ اس کا اشارہ پا کر فصیل کی اوٹ میں غائب ہو گئے۔ تانبے جیسی شکل والا اب واپس لوٹ رہا تھا۔ بالے کو یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ اس کا پیچھا کرتا رہے۔ اب وہ ہال میں جانے کی بائے کلب کے دروازے سے باہر کمپاؤنڈ میں نکل آیا، یہاں ایک فاختئی رنگ کی ڈیسوٹو کار میں وہی لڑکی موجود تھی اور ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اوسط قد و قامت کا خوش لباس آدمی بیٹھا تھا، جس نے اپنا فلیٹ ہیٹ پیشانی پر جھکا رکھا تھا اور کوٹ کے کالر کھڑے تھے۔ اس کے

چہرے کا رنگ گورا ہی تھا۔ وہ آنکھوں پر گہرے سیاہ شیشوں کی عینک لگائے ہوئے تھا۔لڑکی نے تانبے جیسی شکل والے کو کار میں پچھلی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ ایک نظر اس سیاہ عینک والے پر ڈالتا ہوا کار کا دروازہ کھول کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔کار فوراً ہی اسٹارٹ ہو کر کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی۔ان کے جاتے ہی بالے بھی کمپاؤنڈ میں آ گیا۔یہاں اس کی موٹر سائیکل موجود تھی، جس کا سائلنسر اس کے ساتھ ہی نصب رہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایڈمانسٹن روڈ پر اس کار کا پیچھا کر رہا تھا، لیکن وہ اس ٹیکسی سے بھی غافل نہ تھا جو اس سے بھی پیچھے ان ہی روہوں پر دوڑتی آ رہی تھی۔اس میں دو آدمی تھے۔بالے اتفاق سے اس وقت پاکٹ کمیونیکیٹر بھی نہیں لایا تھا، ورنہ اسی وقت خان کو مطلع کر دیتا۔پھر بھی اسے امید تھی کہ خان غافل نہ ہوگا۔ان کا تعاقب جاری رکھنا بھی ضروری تھا۔حالات خان کے اندازے کے مطابق اس کے لیے کافی حوصلہ افزا ہو گئے تھے اور وہ سیاہ چشمے والا بھی یقیناً وہی ہو سکتا تھا جو خان کی دسترس سے بچ نکلا تھا۔لیکن یہ صورتِ حال بھی اس کے لیے کم خطرناک نہ تھی۔اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں پیش آئی کہ اس ٹیکسی میں وہی دو آدمی ہوں گے جنہیں اس تانبے جیسی شکل والے آدمی نے کسی غیر مانوس زبان میں کچھ ہدایت دی تھیں۔اس طرح اس وقت خود ایک انجانے خطرے میں گھر گیا تھا۔اور اس سے علیحدہ ہٹ کر کچھ کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ سمجھ آ رہا تھا کہ وہ درمیان سے ہٹ کر انھیں ڈاج دیتے ہوئے اس تعاقب کو جاری رکھے۔یہ بھی ممکن تھا کہ ٹیکسی میں موجود لوگ اس نامعلوم پراسرار تانبے جیسی رنگت والے آدمی کی ہدایت کی پیروی ہی کر رہے ہوں۔بہر حال احتیاط ضروری تھی۔

چنانچہ ایک سرا ہے پر پہنچتے ہی بالے نے اپنی موٹر سائیکل ایک تنگ سی سڑک میں موڑ دی، پھر اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ٹیکسی آگے بڑھ کر اب اس کار کا اور قریب سے پیچھا کر رہی تھی۔بالے کو معلوم تھا وہ دوسرے راستے سے گھوم کر ان سے بھی آگے نکل سکتا تھا، لیکن اس نے کچھ سوچ کر موٹر سائیکل ایک چھوٹی سی دوائیوں کی دکان کے سامنے کھڑی کر دی۔دکاندار

شاید اس کی پہچان کا ہی تھا، کیونکہ جب چلتے چلتے اس سے بالے نے یہ کہا کہ وہ اس کی گاڑی دیکھتا رہے اور وہ کچھ دیر میں واپس آتا ہے۔ تو دکاندار سر ہلا کر مسکرانے لگا تھا۔ ٹیکسیوں کا اڈہ بمشکل پچاس قدم کے فاصلے پر تھا اور وہاں کئی ٹیکسیاں موجود تھیں۔ بالے نے ان میں سے ایک تھام لی اور دوسرے راستے سے اسے تیز رفتار پر چلنے کی ہدایت کر کے اندر بیٹھ گیا۔

ایڈمانٹن روڈ کے دوسرے سرے پر ایک دوسری چوڑی سڑک اسے کراس کرتی تھی اور اس کے مشرقی حصے میں چھوٹے چھوٹے بلاکس کے بعد سمر کالج کے نام کی ایک یک منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی، جس کے احاطے میں سرخ اور نیلے پھولوں کے پودے بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے دروازے پر کوئی دربان بھی نہ تھا۔ اس میں ایک ریلویز کے محکمے کا پنشن یافتہ یورپین آفیسر رہتا تھا، جو پڑوس میں بھی زیادہ رات تک شراب پی کر اودھم مچانے کے لیے کافی بدنام تھا۔ سمر کالج پر باہر ہی اس کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اور کار بھی کھڑی تھی اور پر پی ڈگلس لکھا تھا۔ بنگلے کا برآمدہ سونا پڑا تھا، لیکن بنگلے کا مالی ایک کیاری کے پاس موجود تھا۔ وہ ٹیکسی میں سے بالے کو نکلتا دیکھ کر چونک سا پڑا۔

''کیا ڈگلس صاحب اندر ہیں؟'' بالے نے اس سے پوچھا۔

''آپ کون ہیں؟ کیا کام ہے؟''

''میں بیمہ کمپنی کا ایجنٹ ہوں۔''

''برآمدے میں بیٹھیے، ابھی صاحب اندر دوسرے لوگوں سے باتیں کر رہے ہیں۔''

مالی نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا اور کیاری کو تراشتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ بالے انجانوں کی طرح برآمدے میں داخل ہو کر بیٹھ گیا، لیکن اس وقت اسے خود معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ دراصل غیر متوقع طور پر مالی اس کے سامنے پڑ گیا اور اس لیے اسے بہانہ کرنا پڑا تھا۔ مالی کے نظر سے دور ہوتے ہی وہ برآمدے کے اس حصے کی طرف چلا گیا جو شاید گھوم کر بنگلے کی پشت کی طرف جاتا تھا، لیکن وہ پنجوں کے بل چل رہا تھا۔ اچانک اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ اسے اس کھڑکی

سے کچھ آوازیں سنائی دیں جو برآمدے کے موڑ سے کچھ آگے تھی۔ کھڑکی بھڑی ہوئی تھی۔ اس لیے اندر موجود آدمیوں کی گفتگو سننے کی کوشش میں اسے کوئی دقت نہیں پیش آئی۔ وہ آہستہ بول رہے تھے۔ نتیجے میں بالے کو جیب سے ساؤنڈ بزار پن نکال کر کان سے لگانا پڑا۔ اس ذریعے وہ سرگوشی کے لہجے میں ہونے والی گفتگو بھی سن سکتا تھا۔ ان میں سے کوئی کہہ رہا تھا۔

''میں کیسے یقین کرلوں کہ اس میں کوئی دھوکا نہیں ہے؟'' لہجے سے یہ آواز اسی تانبے جیسی شکل والے کنگزوے کی معلوم ہوتی تھی۔

''پالی گھاٹ پہنچ کر خود معلوم ہو جائے گا۔'' دوسرے کسی آدمی کی آواز سنائی دی۔

''یہ لڑکی کون ہے؟'' کنگزوے نے اس سے سوال کیا۔

''یہ میری ساتھی ہے، لیکن اس سے اس معاملے کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''اگر مجھ سے دھوکا کیا گیا تو تم اس کا انجام شاید جانتے ہو۔ میں اس کے لیے آسٹریلیا سے یہاں تک آیا ہوں۔'' کنگزوے نے کرخت لہجے میں کہا۔

''میں نے اپنے باس کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے، اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔'' دوسرا آدمی غالباً یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ بالے کے لیے اب اس جگہ ٹھہرنا فضول تھا۔ وہ پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک کوئی شے سنسناتی ہوئی اس کے کان کے نزدیک سے گزر کر دیوار سے ٹکرائی۔ وہ اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ تیز دھار والی گھاس کاٹنے کی کھرپی تھی، جو اس پر پھینک کر ماری گئی تھی اور اس کے دیوار پر لگنے کی آواز بنگلے کے دوسرے حصوں میں بھی یقیناً پہنچی ہوگی۔ اس نے ایک جست ماری اور برآمدے کو عبور کرتا ہوا باہر سبز گھاس پر جا گرا۔ مگر ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ پاس کی جھاڑی سے اچانک دو آدمی نکل کر اس پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ اسے اپنے بچاؤ کو موقع ہی نہیں ملا۔ حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا۔ اس لیے وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر باندھ دیے گئے اور منہ میں رومال ٹھونس کر اسے برآمدے کے راستے ایک نیم تاریک کمرے میں لے آیا گیا۔ دونوں حملہ آور وہی سیاہ فام لوگ تھے، جنہیں

کنگزوے نے ریڈیو کلب پر کوئی خفیہ ہدایت دی تھی۔

''اسے یہیں رکھو۔'' ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اور خود کمرے سے باہر چلا گیا۔

بمشکل ایک منٹ بعد ہی اس راستے سے دوبارہ چار آدمی اندر داخل ہوئے، جن میں سے ایک تو وہی تھا جو اسے چھوڑ کر گیا تھا، دوسرا کنگزوے، تیسرا وہی سیاہ عینک والا پراسرار آدمی اور چوتھی وہی لڑکی جس نے بالے کو سو روپے دیے تھے۔ بالے کو دیکھتے ہی پہلے تو چونک پڑی، پھر غضبناک نظر آنے لگی، لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی۔

''کون ہے یہ؟'' کنگزوے نے بالے کی طرف دیکھ کر ان سے پوچھا۔

''یہ کلب سے ہمارے پیچھے لگا ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں بھی معلوم نہیں۔''

''بھائیو، میں ایک غریب گھسیارا ہوں۔ مجھے ایک آدمی نے یہ شریفوں کے کپڑے پہنا کر یہاں بھیج دیا ہے۔'' بالے نے بڑی معصومیت سے کہنا شروع کیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ لڑکی اس کے بارے میں کچھ نہیں بولے گی، لیکن سیاہ عینک والا اسے ہی گھور رہا تھا۔

''یس، اس آدمی کو کلب میں دیکھ چکا ہوں۔ یہ کوئی اخباری رپورٹر ہے۔'' سیاہ عینک والے نے بھاری آواز میں کہا۔

اس کے اس جملے نے بالے کو الجھن میں ڈال دیا، کیونکہ اگر بقول خان یہ حلیہ اس آدمی کا تھا جو خان کو ڈاج دے کر نکل گیا تھا تو یقیناً اس نے بالے کو پہچان لیا ہوگا۔ پھر کیا وہ اس واقعے کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ کوئی اور ہوگا، ورنہ جھوٹ بولنا کیا معنے؟

''تم یہاں تک کیوں آئے؟'' کنگزوے نے بگڑے ہوئے لہجے میں اس سے پوچھا۔

''میں سمجھا کوئی اہم نیوز...'' بالے نے کہنا چاہا۔

"اوشٹ اپ۔" کنگزوے بگڑ گیا۔ "تم کیوں آئے تھے یہاں؟"

"ہم اخباری رپورٹر، اگر واپسی کا پرمٹ ہو تو دوسری دنیا تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔"

"یہ بکواس مت کرو، تمہارا شناختی کارڈ کہاں ہے؟" کنگزوے نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔ "تم کون سے اخبار کے نمائندے ہو؟"

اس کے جواب میں بالے نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر آگے بڑھا دیا۔ سیاہ عینک والے نے وہ کارڈ اس کے ہاتھ سے لے لیا، پھر اسے دیکھ کر اس نے کنگزوے کی طرف بڑھا دیا۔ کنگزوے نے دیکھا واقعی وہ صحافتی نمائندگی کا شناختی کارڈ تھا اور اس پر بالے کی تصویر بھی تھی، البتہ اخبار کا نام عجیب وغریب تھا، 'لیٹرڈے ٹوڈے اینڈ ٹومارو'۔

"کیا اس نام کا اخبار کوئی یہاں ہے؟" کنگزوے نے گھوم کر اپنے آدمیوں سے پوچھا۔

اس کارڈ پر ٹیلی فون نمبر بھی موجود تھا، موجود آدمیوں میں سے سب نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، لیکن سیاہ عینک والے کو شاید فون نمبر کا خیال آ گیا۔ اس نے اسی وقت کمرے میں رکھے ہوئے فون کے نمبر ڈائل کرنے شروع کیے۔ دوسری طرف سے کسی نے فون ریسیو کرتے ہوئے ہیلو کہا۔

"لیٹرڈے ٹوڈے اینڈ ٹومارو، پلیز۔" سیاہ چشمے والے نے فون پر کہا۔

"لیٹرڈے ایک سو ستیس روپے من، ٹوڈے ایک سو چالیس، ٹومارو، جیسا موقع ہو۔" ادھر سے جواب ملا۔

"وہاٹ؟" سیاہ چشمے والا حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"سرخ مرچ کا بھاؤ۔ یہ اگرواس مگرواس کرانہ اسٹورز ہے۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ ساتھ ہی سیاہ چشمے والے نے جھنجلا کر ریسیور پٹک دیا۔

"یہ کوئی فراڈ ہے، یا مقامی پولیس کا آدمی۔" اس نے بالے کی طرف اشارہ کر کے

Akram Allahabadi

کنگزوے سے کہا۔

''دونوں صورتوں میں اگر یہ جانتا ہے کہ ہم یہاں کیوں جمع ہوئے ہیں تو اسے نظر انداز کر دیا بدترین حماقت ہوگا۔'' کنگزوے نے بالے کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ارے بھائیو، سنو تو میری بھی۔ میں غریب بے گناہ پھنس گیا ہوں۔ میں پولیس وولیس کے سائے سے بھی بھاگتا ہوں۔ اور تمہاری کوئی بات بھی مجھے معلوم نہیں۔ صرف ایک چٹھی ایک سینڈوچ سے ٹپک گئی تھی، اس لیے میں نے سوچا شاید کوئی ٹیڑھا معاملہ ہے اور اپنے بھی ہاتھ کچھ لگ جائے۔'' بالے نے ان کی توجہ اپنی طرف منعطف کرتے ہوئے کہا۔

''میں اس کا علاج کر دوں گا، تم بزنس کی بات کرو۔'' سیاہ چشمے والے نے کنگزوے سے کہا۔

''ٹھیک ہے، میں پالاگھاٹ پر ملوں گا، اوکے۔'' یہ کہتا ہوا کنگزوے اٹھا اور باہر جانے لگا، لیکن دروازے تک پہنچتے پہنچتے وہ پھر رکا۔ ''میں معاملے کو آئینے کی طرح صاف چاہتا ہوں اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ کوئی اس راز کو جانے، اس کا انتظام کیسے کرنا ہے، یہ تم بہتر جانتے ہو گے۔'' یہ کہتا ہوا وہ باہر نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دونوں آدمی بھی۔ اب اس جگہ صرف بالے، وہ سیاہ عینک والا اور لڑکی رہ گئے تھے۔ سیاہ چشمے والا اب بالے کو خشمناک نظروں سے گھورنے لگا۔

''سارجنٹ، تم اس دن اس لڑکی کی حماقت سے بچ نکلے تھے، لیکن آج میں تمہارا وہی حشر کروں گا جو اس لڑکی کا کیا گیا ہے۔'' وہ ہونٹ دانتوں میں چباتے ہوئے بولا۔

''سارجنٹ؟ تو کیا یہ پولیس کا آدمی ہے؟'' لڑکی نے چونک کر اس سے پوچھا۔

''ہاں۔ ہم تک پہنچنے کی اس نے پہلے بھی ایک بار کوشش کی تھی۔''

''ارے، میں تو اس لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو کر یہاں تک پہنچ آیا ہوں، بھائی۔'' بالے نے احمقانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

Akram Allahabadi

''شٹ اپ، یوفول۔''لڑکی اس پر بگڑ گئی۔

''تمہارا جو جی چاہے کہہ لو، مگر میں تمہارے غم میں ایک بٹا دو ہو گیا ہوں۔''بالے نے لہجہ غمناک بنا کر کہا۔

''ابھی کیا ہے، کچھ دیر بعد صفر ہو جاؤ گے۔''سیاہ چشمے والا طنزیہ انداز میں بولا۔

''تم تو پورے علم الحساب معلوم ہوتے ہو، میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔''

شٹ اپ۔''وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔لڑکی ابھی تک بالے کو گھور رہی تھی۔

''ہے ہے، ایسی نظروں سے نہ دیکھو کہ خمار آ جائے۔''بالے اس کی طرف دیکھ کر گنگنانے لگا، لیکن ان میں سے کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔وہ یکے بعد دیگرے کمرے کے باہر نکل گئے۔اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند ہو گیا۔

بالے ابھی اس بندش سے رہائی کی کوئی تدبیر سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے کان کسی سانپ کی پھنکار جیسی آواز سے چونک پڑے۔اس نے دیکھا کمرے کے روشندانوں میں لگے ہوئے ہوا داری اور انجذاب کثافت کے پنکھوں والے خانوں سے سفید سا دھواں نکل کر کمرے میں تیزی سے داخل ہو رہا تھا۔یہ ٹھنڈا اور بوجھل دھواں تھا۔اور اس کا بوجھ بالے کو اپنی سانسوں پر محسوس ہونے لگا۔اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ دھواں اس کا دم گھونٹ دیگا اور اس وقت اسے یاد آیا کہ یہ ایمونیا سے پیدا کردہ گیس ہی ہو سکتی ہے جس کی شدت زہریلی اور مہلک ہوتی ہے، لیکن وہ اس طرح کرسی سے کسا ہوا تھا کہ کوشش کے باوجود وہ اپنے ہاتھوں کو آزاد نہ کر سکا۔البتہ زور لگانے سے پیروں کی رسی ڈھیلی پڑ گئی اور وہ مع کرسی کے اٹھ کھڑا ہوا۔کوشش پھر بھی لاحاصل ہی نظر آ رہی تھی، کیونکہ کمرہ چاروں طرف سے بند تھا۔وہ دروازے تک آ کر ٹھہر گیا۔پھر اس نے بدن کو جھونک دے کر کرسی کو دیوار سے ٹکرانا شروع کر دیا۔یہ طریقِ کار کامیاب رہا۔کئی ٹکروں کے بعد بالآخر کرسی ٹوٹ گئی اور اس کے ٹوٹتے ہی بالے آزاد ہو گیا۔ایمونیا گیس کی کافی مقدار کمرے میں داخل ہو چکی تھی اور اس کی سانسیں گھٹتی معلوم ہو رہی

تھیں۔اس نے کی ہول میں سے باہر جھانکنے کی کوشش کی،لیکن لاحاصل،باہر تاریکی تھی،جس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو باہر والے کمرے میں اندھیرا ہے یا پھر کی ہول کے سامنے کوئی شے لگادی گئی ہے،جس سے باہر کا ماحول نظر نہ آسکے۔

ایمونیا کی گیس اپنا پھیلاؤ بڑھاتی جارہی تھی اور اگر جلد کوئی راہ نہ نکلی تو اس کا دم گھٹ جانا یقینی تھا۔پھر آپ سے آپ اس کے ذہن میں یک ترکیب آگئی۔اس نے ٹوٹی ہوئی کرسی کے پائے اٹھائے اور میز کو دیوار سے لگا کر ایک پائے کو پوری قوت سے وینٹیلیٹر فین پر کھینچ مارا۔پائے کے تو دو ٹکڑے ہوگئے،لیکن اس پنکھے کے پر ٹیڑھے ہوگئے اور اس طرف سے دھوئیں کے اخراج میں کمی ہوگئی۔اس نے جھانک کر دیکھا،اندر دائیں بائیں دو سوراخ تھے جن میں سے سفید دھواں پنکھے کی ہوا کے دباؤ سے کھچ کر اندر آرہا تھا۔پنکھے کے پیچھے کے حصے پر شاید پلائی ووڈ لگا تھا،جو ایک ہی ضرب سے پیچھے جا گرا اور تازہ ہوا اندر داخل ہونے لگی۔بالے بڑی دقت سے خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔اس نے اس کیفیت میں بھی اپنی تمام قوت کو مجتمع کر کے کرسی کے دوسرے پائے سے پنکھے کو اکھاڑنے کی کوشش کی۔اور بالآخر ایک طاقتور جھٹکے سے وہ اپنی جگہ سے الگ ہو کر پیچھے جا گرا۔اب صرف ایک تقریباً ڈیڑھ فٹ کے قطر کا گول روشندان نظر آرہا تھا،جس میں سے لیٹ کر دوسری طرف نکل جانے میں بالے کو زیادہ دقت نہیں پیش آئی،لیکن دوسری طرف گرتے ہی جو آواز ہوئی،وہ اس ماحول کے سناٹے میں یقیناً دور تک سنی گئی ہوگی اور بالے کو ابھی ایک آدمی کے وجود کا اور احساس تھا،یہ اس کے بغیچے کا وہ مالی تھا،جو اس پر پہلے ہی حملہ کر چکا تھا۔وہ بھی ضرور کوئی اس گروہ کا ہی آلہ کار ہوگا،جو یا تو وقتی طور پر یہاں مالی کی حیثیت سے موجود رہا ہو،یا ممکن ہے اس گروہ کا آلہ کار رہا ہوگا،جو یا تو وقتی طور پر یہاں مالی کی حیثیت سے موجود رہا ہو،یا ممکن ہے اسے اسی حیثیت میں رکھا جاتا ہو۔البتہ اس مسٹر ڈگلس کی پوزیشن ابھی تک راز میں تھی۔وہ کون تھا؟اور یہ کہ اس کے بنگلے پر ان واقعات کا رونما ہونا کیا معنے رکھتا تھا؟اس کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔وہ اس روشندان سے عقبی برآمدے میں ہی کودا

تھا اور اس کے زمین پر گرتے ہی اسے کسی کے دوڑتے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ وہ دوڑ کر موڑ والی دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ کوئی تیزی سے دوڑتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا، بالے نے خود کو اور آڑ میں کر کے اپنا ایک پیر آگے نکال دیا۔ آنے والا اس کی ٹانگ لگتے ہی قلابازی کھاتا ہوا اوندھے منہ جا گرا۔ مگر بالے کے منہ سے بے ساختہ 'اوہ' نکل گیا۔ وہ رؤف تھا۔

''خدا نے اتنی بڑی بڑی مونچھیں دی ہیں پھر بھی دیکھ کر نہیں چلتے۔'' بالے معذرت خواہ ہونے کی بجائے بڑبڑانے لگا۔ رؤف اب کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ رہا تھا۔

''نیکی برباد، گناہ لازم۔ حالانکہ میں تمہاری ہی مدد کے لیے آیا تھا۔'' رؤف نے منہ بنا کر کہا۔

''میں تو سمجھا تھا وہ مالی ہے، کھٹکا سن کر دوڑا ہے۔''

''اسے میں نے باندھ کر فصیل کے کنارے ڈال دیا ہے، جھاڑی میں۔''

''اور کوئی نہیں تھا کیا؟''

''نہیں۔ مجھے تو خان صاحب نے ابھی فون پر ہدایت کی تھی کہ تم یہاں کسی کی قید میں ہو اور میں فوراً مدد کے لیے پہنچ جاؤں۔'' رؤف نے بتایا۔

''چہ خوش۔ ارے بالے صاحب کیلئے ایک لشکر کو کافی ہیں۔''

''تبھی پھنس گئے تھے ان کے شکنجے میں۔''

''ہائے، تم کیا جانو، رفو بھائی، وہ بت کافر تھی ہی اس غضب کی۔''

''لعنت ہے اس ذوق پر، جہاں دیکھو وہیں ڈھیر ہیں۔''

''اچھا، یہ باتیں پھر، خان صاحب نے کہاں سے فون کیا تھا؟''

''آفس یا گھر سے تو نہیں کیا تھا۔ وہ کوئی ریسٹورینٹ ہی رہا ہو گا، کیونکہ فون پر ان کی آواز کے علاوہ ہوٹل جیسے شور کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔''

''کیا اس وقت یہاں کوئی بھی نہیں ہے؟''

Akram Allahabadi

"نہیں، صرف وہی مالی ہے۔"

"اچھا تو تم اسے سنٹرل پولیس اسٹیشن لے جاؤ، میں وہیں آ کر ملوں گا۔ ویسے اس کی گرفتاری کو صیغۂ راز میں رکھنا، ورنہ وہ لوگ آگاہ ہو گئے تو کام مشکل ہو جائے گا۔"

"اب تو تم خان جیسی باتیں کرنے لگے ہو۔" رؤف نے طنز کیا۔

"ہوں تو ان ہی کا اسسٹنٹ۔"

"ہاں، مگر اصل اصل ہے اور نقل نقل۔"

"اپنی اپنی سمجھ ہے۔"

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار اجنبی

پالا گھاٹ تھا تو بہت خوبصورت، مگر ویران مقام۔ یہ شہر کے باہر سرجوندی کے چوڑے پاٹ کے کنارے واقع تھا۔ شام کے اوقات میں اس راستے سے ان دولتمند شہریوں کی کاریں گزرا کرتی تھیں، جو نیشنل پارک میں تفریح کرنے جاتے تھے، مگر خود پالا گھاٹ کوئی تفریح گاہ نہ تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ میونسپلٹی نے اسے خاردار تاروں سے گھیر کر ممنوعہ علاقہ قرار دے رکھا تھا، کیونکہ ان کے منصوبے کے تحت یہاں ایک پاٹ کلب (کشتی کلب) قائم کیا جانا تھا۔ ویسے ان پابندیوں کے باوجود یہاں مچھلیوں کے شکاری اور اکا دکا تنہائی پسند لوگ جمع ہو جاتے۔ پالا گھاٹ کے کنارے ہی ایک مختصر سا لیکن ستھرا ہوٹل تھا، جو راہ گیروں کی سہولت کے لیے تھا۔ کبھی کبھی دوپہر کے مسافر یہاں دم لینے کو ٹھہر جاتے۔ البتہ رات کے اوقات میں یہ مقام سونا رہتا تھا اور یہ ہوٹل دس بجے تک بند کر دیا جاتا تھا۔

اس وقت رات کے ساڑھے ۸ بج چکے تھے اور ہوٹل کے کاؤنٹر پر اس کا مالک جو خود ہی منیجر، منتظم اور بار اٹنڈر وغیرہ سب کچھ تھا، بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ہوٹل کے دونوں ملازم ایک طرف کنارے کی میز پر بیٹھے رمی کھیل رہے تھے اور چائے اور کھانے بنانے والا فرصت سے، ہوٹل سے باہر نکل کر بیڑی کے لمبے لمبے کش لگا رہا تھا۔

دروازے پر ایک کار کے رکنے کی آواز نے ان سب کو چونکا دیا۔ کسی کار والے گاہک کی آمد ان کے لیے خوش قسمتی کی ہی بات ہوا کرتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ ہوٹل چلتا ہی ایسے بڑے گاہکوں پر تھا، جو ان میں چار چھ آ جاتے تو سو پچاس کا بزنس ہو جاتا۔

بل ادا کیے جانے کے بعد باقی بچنے والی رقم کو بخشش میں حاصل کرنے کی امید میں دونوں ملازم بیک وقت باہر نکل آئے۔ کار زرد رنگ کی بیڈفورڈ تھی اور اس میں سے اترنے

والے آدمی صرف دو تھے ایک تانبے جیسی شکل والا دراز قد آور آدمی اور ایک سیاہ سی شکل کا گٹھیلا پستہ قد ساتھی جس نے اپنے رنگ کے مطابق ہی سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا۔ پالی گھاٹ کے پل اور اطراف میں سناٹا چھایا ہوا تھا اور نیشنل پارک والی مین روڈ سونی پڑی تھی۔ صرف پانی کے کنارے مینڈکوں کی ٹرانے کی آوازیں یا جھینگروں کی جھائیں جھائیں سنائی دیتی تھی۔ ماحول کا یہ سکوت ہر اجنبی کے لیے پر ہول اور اثر انگیز معلوم ہوتا تھا۔ پل پر سرکاری روشنی کے مدھم لیمپ ٹمٹمارہے تھے، جن کے سائے میں کبھی ایک آدھ کاریا لاری سڑک سے گزر جاتی اور پھر نامعلوم مدت کے لیے وہی خوفناک سناٹا ماحول پر طاری ہو جاتا۔

وہ ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ ہوٹل کے ادھیڑ عمر مالک نے ان کے خیر مقدم میں بوجھل آنکھیں کھول کر ایک نظر ان پر ڈالی اور پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''یہاں کوئی پرائیوٹ روم ہے؟'' کنگزوے نے ہوٹل کے مالک سے پوچھا۔

''جی ہاں، پیچھے ہے، وہ رہا راستہ۔ اے... بیرا، صاحب لوگوں کو راستہ دکھاؤ۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں بتاتے ہوئے ایک ملازم کو حکم دیا، جو فوراً ہی۔ ''چلیے، صاحب۔'' کہتا ہوا فوراً آگے ہو لیا۔

ہوٹل میں بیٹھ کر بھی کوئی نہ سوچ سکتا تھا کہ اس کے عقب میں کوئی پرائیوٹ روم بھی ہوگا، کیونکہ اس کا راستہ ہوٹل کے باورچی خانے سے گزر کر تھا۔ یہ روم بہر حال رومانی جوڑوں، یا تنہائی پسند بڑے مہمانوں کے مخصوص تھا۔

یہاں صرف دو گول میزیں تھیں، جن کے گرد چھ چھ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کمرہ بالکل خالی تھا اور میزوں پر پڑی ہوئی دھول یہ ظاہر کر رہی تھی کہ اسے دو تین دنوں سے استعمال ہی نہیں کیا گیا ہے اور پھر یہ کہ اس ہوٹل کے ملازم صفائی کے معاملے میں کافی سست واقع ہوئے تھے۔ وہ دونوں ایک میز کے گرد کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

''صاحب، کچھ پینے کے لیے چاہیے؟''

''اگر انگلش ہو تو تھوڑی سی لاؤ۔''

''انگلش میں تو صرف پالش وائن ملے گی۔''

''لاؤ، صرف دو پیگ۔'' کنگزوے نے آرڈر دیا۔ اور پیرا چلا گیا۔ کنگزوے کا ساتھی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھنے لگا۔ ساڑھے ۸ بجنے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔

''کہیں ہمیں دھوکا تو نہیں دیا گیا؟'' کنگزوے بڑبڑایا۔

''گھڑیوں کے اوقات میں چند منٹوں کا فرق بھی ہو سکتا ہے۔'' اس کا پستہ قد ساتھی بولا۔

لیکن ٹھیک اسی وقت دروازے پر ایک ٹھوکر لگی اور وہ کھل گیا۔ آنے والا ایک بھاری تن وتوش کا آدمی تھا۔ اس نے گھٹنوں سے نیچا اوور کوٹ پہن رکھا تھا، حالانکہ سردی کچھ ایسی زیادہ نہ تھی۔ وہ سیاہ فیلٹ ہیٹ پہنے تھا۔ کو اس کی پیشانی پر جھک کر اس کے نصف چہرے کو اپنے سائے میں چھپائے ہوئے تھی۔ وہ ہاتھوں میں سیاہ دستانے پہنے تھا۔

کنگزوے اور اس کا ساتھی چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ لاپرواہی سے ان کے قریب آ کر ایک کرسی کو کھینچتے ہوئے اس پر بیٹھ گیا۔

''شب خوشگوار مبارک ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے انگریزی میں انھیں مخاطب کیا۔

''خوشگواری کی کوئی وجہ؟'' کنگزوے نے روکھے لہجے میں جواباً کہا۔

''کیا ہماری ملاقات اس کی معقول وجہ نہیں ہو سکتی؟'' نووارد نے نرم و پرخلوص لہجے میں کہا۔

''مجھے تم سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔'' کنگزوے نے برا سا منہ بنا کر بولا۔

''مجھے اس کا افسوس بھی نہیں ہے۔'' اس نے لہجے میں متانت بحال رکھی۔ ''کیونکہ ہم ایک سودا کرنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''وہ کہاں ہے؟''

''میرے پاس محفوظ ہے، لیکن پہلے معاملہ طے ہو جائے۔''

''کیا چاہتے ہو؟'' کنگز وے کا انداز تحکمانہ تھا۔

''صرف دو لاکھ ڈالر۔''

''دو لاکھ...؟''

''ہاں۔ کیوں...؟ یہ تو اس بے شمار دولت کا عشر عشیر بھی نہیں، جو تم نے نیوگنی کے بھولے قبائلیوں کو لوٹ کر اکٹھا کی ہے۔''

''اوہ، تو تم اس حد تک خطرناک ہو۔''

''خطرہ تو کچھ بھی نہیں، محض بزنس کا ایک حقیر حصہ طلب کر رہا ہوں۔''

''مل جائے گا، لیکن وہ امانت کہاں ہے؟''

''وہ میری جیب میں ہے، اگر یہ کہہ دوں تو شاید تمہاری نیت بدل جائے، اس لیے پہلے اپنی مطلوبہ رقم دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کس شکل میں لو گے؟''

''سونے کی شکل میں زیادہ مناسب رہے گی، لیکن بھاؤ آسٹریلوی ہوگا۔''

''ڈلیوری کس طرح ہوگی؟''

''میرا خیال ہے کہ ہم پھر کل یہاں جمع ہو سکتے ہیں۔''

''تم نے اس کے حصول کے لیے ڈاکٹر جیٹھا اور دوسروں کے خون کرائے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ کھلے بندوں تم سے مل کر اپنی پوزیشن خراب کروں۔ کل میرا آدمی تمہاری مطلوبہ رقم کا سونا لے کر آئے گا، لیکن تمہیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ میرا نام کنگز وے ہے۔'' کنگز وے نے اینٹھے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے سے شک اور دھمکی کی بو آ رہی تھی۔

''خیر، میں اپنا نام تو نہیں بتاؤں گا، بہر حال بیوپار میں میں کبھی بھی بے ایمانی نہیں

کرتا۔'' وہ پراسرار آدمی یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔اسی وقت بیرا ٹرے میں پالش وائن کا پیگ اور سوڈے کی بوتلیں لیے اندر آ پہنچا۔

''کیا پالش وائن پسند نہیں کرو گے؟'' کنگزوے نے اجنبی سے اخلاقاً پوچھا۔

''میں ہلکے نشے کی شراب کو منہ نہیں لگاتا، شکریہ۔'' یہ کہتا ہوا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔اس کے جاتے ہی کنگزوے نے اپنے پستہ قد ساتھی کو اشارہ کیا جو مشین کی سی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس پراسرار اجنبی کے پیچھے ہی باہر چلا گیا۔کنگزوے کے چہرے کا تانبے جیسا رنگ کچھ اور زیادہ سرخ ہو گیا تھا اور اس کے بھدے موٹے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ اٹھ آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

لوگوں کا ایک ہجوم ٹرنر روڈ کے چوراہے پر اکٹھا تھا اور ان کے سامنے ایک شریف آدمی، جس نے شاید عالمِ جنون میں اپنے کپڑے خود پھاڑ ڈالے تھے، دیوانہ وار قہقہے لگا رہا تھا۔لوگ اس وحشتناک منظر سے اس قدر متاثر تھے کہ ان کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔وہ شاید اس عالم میں اسے پاگل سمجھ کر لطف اٹھاتے، لیکن پچھلے دنوں سے قہقہوں کی موت والی وارداتوں نے شہر کے گلی کوچوں میں اس عجیب اور پراسرار طریقہ موت کے تذکروں کے ساتھ ایک عجیب سا ہراس پھیلا دیا تھا۔آج ان خوفزدہ شہریوں میں سے چند اس کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔وہ اس منظر سے خوفزدہ ہوتے ہوئے بھی نہ جانے کیوں وہیں جمے کھڑے تھے۔شاید یہ ان کا جذبہ تجسس تھا، جو انھیں اس کا انجام دیکھنے کے لیے روکے ہوئے تھا۔یہ دورہ اس آدمی پر اچانک پڑا تھا، جب وہ قریب کے میڈونا اسٹورز سے کچھ سامان خرید کر باہر نکلا تھا۔اس کی ہنسی مسلسل تھی اور بتدریج قہقہوں میں تبدیل ہو گئی تھی۔

صرف اسی سڑک پر نہیں، یہ خبر جہاں تک پھیلتی جاتی تھی، لوگوں میں ایک عجیب سی

سنسنی اپنی جگہ کر رہی تھی ۔اس آدمی کے گرد ہجوم بڑھتا ہی جا رہا تھا،لیکن شاید ان میں سے کسی کو بھی یہ عقل نہیں آئی تھی کہ اس آدمی کو کم از کم کسی اسپتال ہی پہنچا دیں ۔دراصل کوئی بھی اس کے نزدیک جانے کی جرأت نہیں کر رہا تھا۔وہ ڈرتے تھے کہ کہیں یہ عجیب چیز یا بیماری یا نامعلوم اثر اس کے قرب سے خود ان میں نہ سرایت کر جائے ۔

اچانک مجمع چونک پڑا۔وہ پولیس سائرن کی آواز تھی ۔بھیڑ چھٹنے لگی۔اور پولیس کی اودے رنگ کی ڈاج اسٹاف کار سائرن بجاتی ہوئی ان کے درمیان سے گزر کر اس آدمی سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

کار سے سب سے پہلے اترنے والا خود سپرنٹنڈنٹ خان تھا۔اس کے ساتھ انسپکٹر ڈیسوزا اور انسپکٹر اسلم شاہ بھی تھے ۔ان کے علاوہ اسٹاف کے تین چار آدمی اور تھے۔

''آپ مجمع کو منتشر کرایئے۔''خان نے پلٹ کر شاہ سے کہا اور شاہ کا اشارہ پاتے ہی اسٹاف کے لوگ مجمع کو پیچھے دھکیلنے لگے۔خان اس آدمی کے قریب پہنچ گیا، جو بے تحاشا چیخ رہا تھا،لیکن ابھی تک اس کے منہ سے چیخیں جاری نہیں ہوا تھا۔خان نے اسے بازو سے تھامنا چاہا، لیکن اسے محسوس کرنا پڑا کہ اس وقت اس آدمی میں بلا کی قوت پیدا ہو چکی تھی ۔وہ صرف اس کے ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔چنانچہ اس کے لیے خان کو پشت سے اس پر اچانک جھپٹ کر ہاتھوں کا حلقہ اس کے سینے کے گرد ڈال کر اسے قابو کرنا پڑا۔دوسرے لمحے وہ ان کی اسٹاف کار میں تھا۔

''مسٹر ڈیسوزا، آپ فوراً اس اسٹور کو چیک کیجیے اور مسٹر شاہ، آپ مجمع کو روک کر ایک ایک آدمی کی تلاشی لے ڈالیے۔میں سول اسپتال میں آپ لوگوں کی رپورٹس کا انتظار کروں گا۔''یہ کہہ کر خان نے کار اسٹارٹ کر دی۔وہ آدمی کار میں بھی اسی طرح ہنسے جا رہا تھا۔ ہر قہقہے کے ساتھ اس کا جسم اکڑنے لگا،لیکن محکمہ خفیہ کے دو آدمی اسے بہر حال قابو میں کیے ہوئے تھے۔

Akram Allahabadi

سول اسپتال پہنچنے میں انھیں بمشکل دس منٹ لگے۔ وہ آدمی ابھی تک قہقہے لگا رہا تھا۔ اسے جب اسپتال کے اندر لے جایا گیا تو اس کے قہقہے سن کر اسپتال کے اسٹاف میں بھی سنسنی پھیل گئی۔ وہ ایک ایسی ہی موت اپنی آنکھوں سے پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ وہ دوسروں سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ اس قسم کے مریض کو کسی دوا یا علاج سے بچایا نہیں جا سکتا۔ پچھلے کیس پر تمام طبی ماہرین سے رائے طلب کی جا چکی تھی، لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ یہ پراسرار طریقہ موت کس بیماریا کن ذرائع کا ردِعمل ہے اور بالآخر سب نے مشترکہ طور پر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ آج تک کی طبی تاریخ میں دنیا کے کسی حصے میں ایسے کسی مرض کا جود نہیں پایا گیا۔ یہ کوئی عجیب وغریب بات ہے۔

ان پراسرار وارداتوں کے ساتھ ساتھ یہ افواہیں بھی گرم تھیں کہ یہ پراسرار مرض (اگر یہ واقعی کوئی عجیب مرض ہی ہے) اپنے آغاز میں جب اس قدر طاقتور ہے تو پھیل جانے پر تو اس کے مقابلے کا سوال ہی نہیں۔ بہت سے حلقوں میں یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا جا رہا تھا کہ کہیں یہ فلو کی طرح پھوٹ پڑنے والی بیماری کا ابتدائی حملہ تو نہیں ہے۔ بہر حال ان افواہوں سے جہاں پولیس کے حلقے بے خبر تھے وہاں عام شہری آبادی میں کافی ہراس پایا جا رہا تھا۔ اور اس کا اظہار لوگ آپس کی نشستوں میں ہی کرتے۔ ویسے اخبارات نے ابھی تک ان افواہون کو اہمیت نہ دی تھی اور شاید اسی وجہ سے ہیجان دبا دبا سا تھا۔

ڈاکٹر سید اسپتال میں موجود تھے اور یہ وقت تھا بھی ان کی موجودگی کا۔ اس آدمی کو فوراً ہی اکزامینیشن تھیٹر میں منتقل کر دیا تھا۔ ڈاکٹر سید فوراً ہی آ موجود ہوئے۔ اکزامینیشن روم کو فوراً اندر سے بند کر دیا گیا۔ اب اندر صرف خان اور ڈاکٹر سید کے علاوہ ایکسرے روم کا انچارج، ریڈیولوجسٹ موجود تھے۔ مریض کو فوراً ہی اسکریننگ مشین کے نیچے لٹا دیا گیا۔ اس کے قہقہے اس وقت ان کے کان پھاڑے ڈال رہے تھے، لیکن اپنا کام وہ اطمینان سے کر رہے تھے۔ مریض کا چہرہ اب سرخ ہو چکا تھا، جو اس بات کی علامت تھی کہ اس کا وقت قریب آ گیا

ہے۔اسکرین کا ربن کے روشن ہوتے ہی مریض کے سینے کی اندرونی کیفیت اسکرین پر نظر آنے لگی۔اس کے پھیپھڑے بہت تیزی سے پھول اور پچک رہے تھے اور دل کی دھڑکن معمول سے کہیں زیادہ تیز ہو چکی تھی۔اس کے منہ سے پھین نکلنا بھی شروع ہو گیا تھا۔

''خون کا دباؤ اوپر کی طرف شدت اختیار کر چکا ہے۔''ڈاکٹر سید بڑبڑایا۔ساتھ ہی اس نے مریض پر یکے بعد دیگرے دو انجیکشن بھی استعمال کیے،لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایکسرے مشین سے ہٹنے سے قبل ہی وہ ختم ہو گیا اور اس بار پھین اس کے منہ کے علاوہ ناک سے بھی بہہ نکلا۔یہ گاڑھا گاڑھا چکنا مادہ تھا۔''اس کے دماغ کی باریک نسیں پھول کر پھٹ گئیں ہیں۔''ڈاکٹر سید نے خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کیا اب بھی سمجھ میں نہیں آیا؟''خان نے پوچھا۔

''اونہونہہ۔''ڈاکٹر سید نے سر نفی میں ہلایا۔''صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ اس دورے پر خون کا دباؤ تمام تر اوپر کی طرف پڑنے لگتا ہے اور دماغ کی رگیں اس کا بار برداشت نہ کر کے پھٹ جاتی ہیں۔اب خدا نے یہ کوئی پراسرار مرض ہے یا کوئی غیر قدرتی موت۔''

زیادہ بحث لاحاصل تھی۔وہ دونوں باہر نکل آئے۔ڈاکٹر نے ایک وارڈ بوائے کو ہدایت کر دی کہ اس لاش کو پوسٹ مارٹم تھیٹر میں پہنچا دیا جائے۔

خان ابھی ڈاکٹر کے آفس میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کا کال آ پہنچا۔

''صاحب،سپرنٹنڈنٹ صاحب کا فون ہے۔''ڈاکٹر کے اردلی نے اسے خبر دی۔

فون دوسرے روم میں تھا اور خان شاید اس کا منتظر ہی تھا۔

دوسری طرف سے انسپکٹر ڈیسوزا بول رہا تھا۔

''سر،میڈونا اسٹورز والے اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکے کہ وہ گاہک صرف چند منٹ پہلے ان کے اسٹورز میں آیا تھا۔اس نے اپنی بیوی کے لیے دو ساڑھیاں اور اپنے لیے ایک نیا شیونگ بکس خریدا تھا،لیکن یہ بات کاؤنٹر کے آدمی نے بھی نوٹ کی تھی کہ اس کے

چہرے پر شدت کے ساتھ پسینہ آرہا تھا، جسے وہ بار بار رومال سے پونچھتا رہا۔'' ڈیسوزا نے بتایا۔

''کیا ان کے بیانات قابلِ یقین ہیں؟''

''میں تو یہی سمجھتا ہوں۔''

''اس سے پہلے؟''

''وہ بھی معلوم کرنے کی میں نے کوشش کی اور مجھے وہ ٹیکسی ڈرائیور بھی مل گیا جو اس آدمی کو ۱۳ نمبر اگروال اسٹریٹ سے یہاں تک لایا تھا۔'' ڈیسوزا نے بتایا۔'' اس نے ایک بات اور بھی بتائی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس گاہک نے راستے میں ایک جگہ ٹیکسی رکوا کر ایک ہوٹل سے آرینج اسکوائش پیا تھا اور اس کے بعد وہ ٹیکسی میں ڈرائیور سے کہہ رہا تھا کہ آج خلافِ معمول بہت زیادہ گرمی ہے۔ حالاں کہ موسم قطعی گرم نہیں تھا۔''

''کیا اس ہوٹل کو چیک کیا تم نے؟''

''جی ہاں، وہ فورجس ریسٹورنٹ ہے، جو کولڈ ڈرنکس کے لیے مشہور ہے۔ وہاں مجھے اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ اس آدمی کے ساتھ اس میز پر ایک اور بھی آدمی بیٹھا تھا، لیکن وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی معلوم ہوتے تھے۔ شاید میز خالی نہ ہونے کی وجہ سے ایک ہی جگہ بیٹھ گئے ہوں گے۔ ان میں کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں ہوتی دیکھی گئی۔''

''آرینج اسکوائش کس نے انھیں لے جا کر دیا تھا اور کیا دونوں نے ایک چیز کا آرڈر دیا تھا؟'' خان نے پوچھا۔

''میں معلوم کر چکا ہوں۔ دونوں کا آرڈر اسی چیز کے لیے تھا، لیکن جس بیرے نے انھیں سرو کیا تھا، وہ لاپتا ہے۔ ہوٹل کے مالک کا بیان ہے وہ نیا بیرا تھا اور بدلی پر آیا تھا۔'' ڈیسوزا نے بتایا۔

''خوب۔ تو بغیر جانے بوجھے اس نے ایک شخص کو بدلی پر رکھ لیا تھا۔''

''وہ اپنی غلطی تسلیم کرتا ہے، کیونکہ اسے آدمی کی ضرورت تھی اور بیرا صورت سے

کوئی مصیبت زدہ شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔"

"وہ دوسرا آدمی کون تھا جو اس کے ساتھ میز پر بیٹھا دیکھا گیا تھا؟"

"ہوٹل والا اسے پہچانتا ہے۔ وہ ریلوے کا ایک ریٹائرڈ آفیسر ہے جس کا نام شاید ڈگلس ہے۔"

"ڈگلس...!" خان چونک پڑا۔ "تو ٹھیک ہے۔"

"جی...؟ کیا ٹھیک ہے؟"

"بس اور کچھ جاننے کی ضرورت نہیں۔ وہ آدمی بیچارہ اتفاق سے ڈگلس کے دھوکے میں مارا گیا ہے۔" خان نے بتایا۔

"تو کیا یہ وہی سلسلہ ہے؟"

"قطعی۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"ڈگلس کے مکان کی نگرانی اور مرنے والے کا پتا۔"

"وہ بھی میں معلوم کر چکا ہوں۔ البتہ ڈگلس اپنے گھر پر موجود نہیں ہے۔"

"اس کا حلیہ معلوم کیا کسی سے؟"

"اوسط قد و قامت کا آدمی ہے۔ خضاب سے بال کالے کیے رہتا ہے اور ٹھنڈا چشمہ لگاتا ہے۔" ڈیسوزا نے بتایا۔

"تو پھر وہ بھی اگر اسی پراسرار موت کا شکار نہیں ہوا ہے تو ہو جائے گا۔" خان نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں؟"

"ڈگلس کو جلد از جلد تلاش کرنے کی کوشش کیجیے۔" خان نے ہدایت کی۔

"بہتر ہے۔" ڈیسوزا نے یہ کہہ کر فون ڈسکنکٹ کر دیا، کیونکہ خان بھی گفتگو ختم کر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

چندہ دیجیے

اس کے ایمبیسیڈر ہوٹل سے باہر آتے ہی سامنے فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا ادھیڑ عمر یتیم صورت آدمی پیچھے لگ گیا۔ حالانکہ کنگزوے کا موڈ کافی خراب تھا۔

''پلیز، سر۔ میں ایک ہزار پانچ سو پچپن یتیموں کے نام پر آپ سے اپیل کرتا ہوں۔ آپ صورت وشکل سے مخیّر اعظم معلوم ہوتے ہیں۔ میرے پاپا ماما آرفینج کے بالکل یتیم بچے آپ کی آنے والی سات پشتوں کو دعائیں دیں گے، پلیز سر۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا اس کے پیچھے چلتا رہا۔ کنگزوے کے ساتھ ایک آدمی اور تھا جو اسے گھور رہا تھا۔

''ساری۔'' کنگزوے نے بھاری آواز میں کہا۔ اس کی کار جو اسے آسٹریلوی سفارت خانے کی طرف سے استعمال کے لیے دی گئی تھی، تھوڑے فاصلے پر ہی کھڑی تھی۔

نو، سر۔ انکار کے نام میں آپ کی صورت کو بھی لگے گا۔ آئی ایم ساری، انکار کی صورت میں آپ کے نام کو بٹہ لگے گا۔ میں نے آپ کی شہرت دور دراز کے ملکوں سے سنی ہے۔ ایک ہزار پانچ سو پچپن یتیم بچے آپ سے بڑی بڑی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ آپ کا ڈونیشن پاپا ماما یتیم خانے کی شان میں چار دونی آٹھ چاند لگا دے گا۔ حالانکہ زمین کے گرد صرف ایک چاند گردش کرتا ہے۔ خدا آپ کو جو پیٹر بنائے اور...''

''سکریٹری، اسے کچھ دے کر پیچھا چھڑاؤ۔'' کنگزوے نے جھنجلا کر اپنے ساتھی سے کہا اور خود کار میں بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھی نے برا سا منہ بنا کر جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''پلیز، مخیّر اعظم، سو روپے بحساب ایک ہزار پانچ سو پچپن، تین پیسے فی یتیم بھی نہیں ہوتے۔ آپ خود سوچیے کہ ان تین پیسوں کے حساب سے کون یتیم آپ کو یاد رکھے گا۔ تین

پیسے تو میدانِ حشر میں بھی آپ کے کام نہ آسکیں گے۔ دو ٹکے کی چھوکڑی اور تین پیسے کی نیکی کو کوئی نہیں پوچھتا۔"

"گیٹ آؤٹ۔" کنگزوے کے ساتھی نے اسے دور دھکیل دیا اور کار اسٹارٹ ہوگئی۔

اس کے جاتے ہی ادھیڑ عمر آدمی لپک کر سامنے والے کپڑے کے اسٹورز میں گھس گیا اور منیجر کی اجازت سے فون کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسرے لمحے وہ کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔

"وہ کار نمبر BZM19 پر ایک ساتھی کے ساتھ گیا ہے۔ بہت چالاک آدمی ہے۔ ایک سو کا نوٹ اس نے اپنے سکریٹری سے دلایا ہے، فنگر پرنٹس حاصل کرنا مشکل نظر آتا ہے۔

دوسری طرف سے اسے ہدایت کی گئی۔

"اس کار کا پیچھا کرو۔"

"اس کے ساتھ کوئی لڑکی نہیں ہے۔" ادھیڑ عمر آدمی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں تمہارا سر توڑ دوں گا، سور۔"

"شوق سے، آپ کا ہاتھ میرے سر کی بجائے کریڈل پر پڑے گا۔"

"گدھے۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

وہ فوراً باہر نکل آیا۔ یہاں درجنوں ٹیکسیاں موجود تھیں اور اسے صرف ایک درکار تھی۔

☆☆☆☆☆☆

کنگزوے کی کار فورجس ریسٹورینٹ کے سامنے رک گئی اور وہ اتر کر اندر چلا گیا۔ اس کی اچھی شخصیت سے ہوٹل کے ملازم مرعوب ہو کر ادھر ادھر ہٹ گئے اور وہ سیدھا ہال کو طے

کرتا ہوا ایک پرائیوٹ کیبن میں داخل ہوگیا۔ابھی اسے بمشکل دو منٹ ہی اس جگہ گزرے ہوں گے کہ کیبن کا دروازہ پھر کھلا اور دو سیاہ فام سے آدمی اندر داخل ہوئے۔وہ اسے دیکھتے ہی اس قدر محجوب ہوگئے کہ ان کے سر جھک کر ان کے سینوں سے جا لگے۔

''مقدس ہوتو کی توہین کرنے والے ابھی تک زندہ ہیں۔کیا یہ شرم کی بات نہیں۔'' کنگزوے نے بگڑے ہوئے لہجے میں ان سے کہا۔

''ہم آپ کے اشارے پر دیوتا کے لیے ہر وقت اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں،مقدس باپ،آپ صرف حکم کیجیے۔''

''میں ایک بھی ایسے آدمی کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا جو دیوتا کا راز جانتا ہو۔'' کنگزوے نے دروازے کی طرف غور سے تکتے ہوئے ان سے کہا۔

''ایسا ہی ہوگا،مقدس باپ۔''وہ ادب سے بولے۔

''ڈوگل ابھی تک نہیں لوٹا ہے،شہر کا کونہ کونہ چھان مارو۔مجھے سب سے پہلے ڈوگل چاہیے۔''اس نے حکم دیا اور پھر اسے کے اشارہ کرتے ہی وہ دونوں باہر نکل گئے۔پیر اسی وقت اندر آیا اور کنگزوے اسے ٹھنڈی کافی کا آرڈر دے کر کسی سوچ میں کھو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

خان نے کار کا دروازہ کھول دیا اور پاپا ماما یتیم خانے کا منشی اچک کر کار میں بیٹھ گیا۔

''شاید اندر بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا ہے۔''اس نے خان سے کہا۔

''اس کی پرواہ نہ کرو،میں تو کچھ اور سمجھا تھا۔بہر حال اس وقت اس ہوٹل کی نگرانی پر ہمارے آدمی موجود ہیں۔''

''میں اس کیس میں سرے سے احمق ثابت ہو رہا ہوں۔آخر یہ ہے کیا چکر؟''

''وہی ایک چھوٹا سا ڈبہ جو ڈاکٹر کی لیبارٹری سے چرایا گیا تھا۔''خان نے جواباً کہا۔

''تو یہ قہقہوں والی موتیں اسی ڈبے کی کرامات ہیں؟''

''نہیں، بلکہ یہ اس کے حصول کے لیے ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر کی لیبارٹری سے غائب کرنے والے نے خود ہی اس ڈبے کا راز منکشف کر دیا ہے۔''

''میں پانچ پرسنٹ بھی نہیں سمجھا۔''

''اس ڈبے میں یقیناً قہقہوں والی موتیں بند ہیں۔''

''وہ پیتل کی مورتی آج تک میری جیب میں پڑی ہوئی ہے۔''

''وہ تمہیں گالیاں تو نہیں دے رہی، پڑی رہنے دو۔ اس کا مقصد بھی آپ سے آپ ہی سامنے آجائے گا۔''

''میں نے پال گھاٹ والے ہوٹل سے دو آدمیوں کا تعاقب کیا تھا اور ان میں سے ابھی ایک دوسرے کا تعاقب ہی کر رہا تھا۔''

''وہ دوسرا اسی کنگزوے کا پسینقد ساتھی رہا ہوگا۔''

''یہ کیسے؟ کیا آپ بھی وہاں موجود تھے؟''

''تو پھر اس نے پیچھا کس نے کیا تھا؟''

''ایک اوورکوٹ پہنے ہوئے نامعلوم آدمی کا۔''

''اور وہ میں ہی تھا۔''

''میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں جو اس پر یقین کر لوں۔''

''یقین کرو یا نہ کرو، لیکن حالات ہی ایسے ہیں۔ کیا تم نے اس آسٹریلوی خاتون ممبر پارلیمان کے بیان کو چیک کیا تھا جو اس نے وفد کی آمد وغیرہ کے بارے میں تمہیں دیا تھا؟''

''وہ، وہ تو میں بھول ہی گیا تھا اور پھر فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسمان سے ہم۔''

''جس وقت تم ہوٹل میں جھک مار رہے تھے، میں بھی وہاں موجود تھا۔ بہر حال اس کا نام جولی ایڈمنڈ ہے اور وہ پارلیمانی ممبر بھی نہیں ہے۔ وہ کنگزوے کی سکریٹری ہے۔''

''لیکن اس دوسرے بوڑھے ممبر نے کہا تھا۔''

''وہ لوگ تمہارا مذاق اڑا رہے تھے۔''

''مجھے یقین ہے کہ یہ پیتل کا بت بھی اس نے میری جیب میں ڈالا ہوگا۔''

''تمہارا صرف خیال ہے کہ میں دیکھ چکا ہوں، لیکن اس کا مقصد صرف یہ ہوسکتا ہے کہ تم اس بت کے ذریعے پہچانے جاسکو گے اور ممکن ہے یہ مورتی موت کے گھاٹ اتار دیے جانے کی بھی علامت ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تم میک اپ میں نہ ہوتے تو تم پر حملہ کیا جاچکا ہوتا۔''

''یہ آخر کیا ناٹک ہے، آئی ایم ساری، ناٹک ہے؟''

''بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ موت سے قبل ڈاکٹر جیٹھا پچھلے دنوں ڈیڑھ مہینے تک کہاں غائب تھا۔''

''یہ اس کی لڑکی اپنے بیان میں کہہ چکی ہے۔''

''ہاں، لیکن یہ اسے بھی علم نہیں کہ وہ ایک خاص مشن پر آسٹریلیا گیا ہوا تھا۔ اور وہ کیونکہ یہاں سے کلکتہ جا کر وہاں سے آسٹریلیا گیا تھا، اس لیے کسی کو اس کا علم بھی نہ تھا۔ اس کی واپسی کے دو ہفتے بعد سے ہی کنگزوے اور جولی ایڈمنڈ بھی یہاں آپہنچے تھے۔''

''لیکن وہ وفد تو...''

''اس نے وفد کو پہلے سے ہی اطلاع دی تھی کہ وہ برما اور ملایا ہوتا ہوا وفد کے ہندوستان پہنچنے تک خود بھی ہندوستان پہنچ جائے گا، لیکن وہ براہِ راست ہندوستان ہی آیا تھا۔''

''تو آخر یہ بھاگ دوڑ کیوں؟''

''دراصل کیس الجھا بھی ہے اور سیدھا بھی۔ پہلے میں بھی ڈاکٹر جیٹھا کی موت کو کسی پراسرار نئی بیماری کا سبب یا خود ڈاکٹر کے کسی ناکام تجربے کا ردِعمل سمجھا تھا، لیکن پھر مجھے اس کے سنسنی خیز انکشاف والی پیشین گوئی سے اس کی لیبارٹری کی تلاشی لینے کی کرید پیدا ہوئی اور اس طرح اس آسٹریلوی ملاح کی اسی انداز کی موت نے میرے ایک شبے کو بالکل قوی کر دیا۔''

''کیا شبہ؟''

''پچھلے سال میں نے امریکن میگزین ہیلتھ اینڈ ہائجن میں ایک چھوٹی سی رپورٹ پڑھی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ چند امریکی انگریز اور جرمنی ڈاکٹروں پر مشتمل ایک ٹیم آسٹریلیا کی ایک جزائری نوآبادی نیوگنی کے دورے پر ایک عجیب وغریب مرض کی تحقیقات کے لیے گئی تھی۔اور یہ مرض دنیا کے کسی بھی خطے میں اب سے پہلے نہ سنا گیا تھا نہ دیکھا گیا تھا۔''

''یہی قہقہوں کا مرض؟''

''ہاں۔آسٹریلوی نیوگنی کے باشندوں میں ہی یہ مرض پایا جاتا ہے۔دراصل یہ ایک دہشتناک ترین مرض ہوتا ہے۔مریض کو مرنے سے ایک دو دن پہلے آپ سے آپ ہنسی چھوٹنے لگتی ہے اور اسکی ہنسی کے ساتھ ساتھ اسکے گھر کے لوگ اس کا ماتم کرنا شروع کر دیتے ہیں، کیونکہ وہ جان لیتے ہیں کہ اس کے مرنے کا وقت آپہنچا ہے۔اسے کوئی طریق علاج، کوئی دوا نہیں بچا سکتی۔یہ دورے کچھ وقفے کے بعد اور زیادہ پڑنے لگتے ہیں اور پھر تیسری منزل پر مریض بے تحاشا قہقہے لگانے شروع کر دیتا ہے۔اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور بدن میں اکڑن سی پیدا ہو جاتی ہے اور اسی طرح قہقہے لگاتے ہوئے اچانک اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔''

''بڑا بھیانک ہے اس کا تخیل بھی۔''

''ہُم، تو اس رپورٹ میں لکھا تھا کہ یہ ٹیم اگرچہ قابل ترین طبی ماہرین پر مشتمل تھی، لیکن اسے ناکام لوٹنا پڑا، کیونکہ یہ مرض یا اس کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہ آسکی۔نہ وہ اس کا کوئی علاج دریافت کر سکے۔انھوں نے پوسٹ مارٹم میں مریضوں کے بھیجے تک کھنگال ڈالے، لیکن مرض کا کوئی سبب دریافت نہ کیا جا سکا۔''

''تعجب ہے، آپ کی نظر کہاں کہاں تک پہنچی ہے۔''

''کوئی خاص بات تو نہیں۔مجھے ذاتی طور پر میڈیکل سائنس سے دلچسپی ہے، اس

لیے اس قسم کے رسائل اور کتابیں میری نظروں سے اکثر گزرتی رہتی ہیں۔"

"اور پھر کیا ہوا؟"

"غالباً ڈاکٹر جیٹھا نے بھی اس رپورٹ کو پڑھا ہوگا اور اسی کی خاطر اس نے آسٹریلیا کا سفر اختیار کیا ہوگا۔"

"ہوگا، یا تھا؟"

"تھا ہی سمجھو، ورنہ اس کی موت بھی اس طرح واقع نہ ہوتی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ وہیں سے اس کے جراثیم ساتھ لایا ہو؟"

"میں اسے سرے سے مرض ہی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"تو پھر کیا بلا ہے یہ؟"

"یہی تو میں بھی جاننا چاہتا ہوں اور اسی لیے میں نے واقعات کو اس قدر ڈھیل دے رکھی ہے۔"

"مگر کنگزوے سے اس کا کیا تعلق؟"

"وہی ان قبائلیوں کا سردار ہے۔ وہ اسی نوآبادی کی نمائندگی آسٹریلوی پارلیمان میں کرتا ہے، بلکہ اسے ان ۸۰ ہزار آدمیوں کا مطلق العنان بادشاہ کہنا چاہیے۔ وہ ان کا روحانی پیشوا بھی ہے۔ اور اس کے حکم سے انحراف کرنا، وہ اپنی زندگی سے انحراف کرنے کے برابر سمجھتے ہیں۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے خود بھی اس کے مریدوں میں داخل ہوں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ اس کی پیشوائی کا راز بھی اس قہقہوں کی موت والے اسرار میں مضمر ہے۔"

"تو کیا اس کے آدمیوں نے مجھے اغوا کیا تھا؟"

"اونہوں نہہ... وہ ڈگلس تھا۔"

"ڈگلس...؟" بالے ایک دم چونک پڑا۔

''ہاں، لیکن؟ ڈاکٹر کی موت میں اس کا ہاتھ نہ تھا، بلکہ اس کی رپورٹ اخباروں میں شائع ہونے کے بعد وہ اس طرف متوجہ ہوا تھا۔ وہ بھی اس پراسرار بیماری کے بارے میں جانتا تھا، کیونکہ اس کے بیان کے مطابق وہ نیوگنی کا دورہ کر چکا ہے۔ ڈاکٹر پر ہونے والے حملے اور لیبارٹری والی واردات نے اس کے دماغ میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ قہقہوں کی موت ضرور کوئی مہلک فارمولا ہے اور یہ جھگڑا اسی کے لیے شروع ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے ہاتھ پھیلا دیے، تاکہ وہ اس راز کو حاصل کر کے یا تو مخالف طاقت کو بلیک میل کر سکے یا اس کے ذریعے دوسروں کو لوٹ سکے۔ اس دن جب تمہیں اغوا کیا گیا ہے، کیا تمہیں یاد ہے کہ شوکت کے ساتھ ایک پارسی لڑکی دیکھی گئی تھی؟'' خان نے رک کر بالے سے پوچھا۔

''خوب اچھی طرح، اس کے لیے تو میں نے شوکت کو چرا رہا تھا۔''

''تو پھر گدھے ہو جو ریڈیو کلب والی جولی ایڈمنڈ اور اس پارسی لڑکی میں مماثلت نہ کر سکے۔''

''اوگاڈ... میرے تو خواب میں بھی نہیں آ سکتا یہ خیال۔''

''اسی لیے تو کہتا ہوں کہ اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔''

''وہ لوگ تمہاری شخصیت سے واقف ہو گئے تھے اور انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ آسٹریلوی ملاح اسپتال میں ہی مر چکا ہے۔ اس لیے وہ مطمئن تھے اور اس طرح وہ لڑکی تمہیں شوکت کی معرفت مغالطے میں ڈال کر تحقیق کی غلط راہ پر ڈالنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ والا پارسی بھی آسٹریلوی فرم کا ایک گجراتی ملازم ہے، جسے کنگزوے نے خرید لیا ہوگا۔''

''تو آپ نے انھیں چھوڑ کیوں رکھا ہے؟''

''ان پر ہاتھ ڈال کر میں انھیں چونکا دینا نہیں چاہتا اور پھر قانوناً ان پر کوئی جرم تو ثابت کیا نہیں جا سکتا۔ تمہیں تو ان سے پہلے ہی ڈگلس کے آدمی لے اڑے تھے۔''

''تو پھر آپ نے مجھے کیا صدقے کا بکرا بنا رکھا تھا؟''

''نہیں، بلکہ ان کی تمام تر توجہ تمہاری طرف مرکوز رکھ کر میں ان کی حرکتوں کی نگرانی کر رہا تھا۔''

''تب تو آپ اس قتالہ پرفن کو بھی جانتے ہوں گے جو مجھے اغوا کرا کے لے گئی تھی؟'

''وہ تو ڈگلس کی داشتہ تھی۔''

''یہ ڈگلس بیچ میں کہاں سے کود پڑا؟''

''وہ اس روز ہوٹل میں موجود تھا اور میں اتفاق سے اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔ اس نے کاغذ کے پرزے پر جو کچھ تحریر کیا تھا، اس کا الٹا عکس میں نے اپنے سگریٹ کیس کے نکل پلیٹ میں پڑھ لیا تھا اور وہیں سے میں اس سے صحیح طور پر واقف ہوا۔ وہ پیغامبر لڑکی ڈگلس کی ہندوستانی عیسائی بیوی تھی اور وہ ڈگلس وفد کو دی جانے والی پارٹی کی استقبالیہ کمیٹی کا ممبر بھی تھا۔''

''تو اپنی داشتہ کی موت کا ذمے دار تو وہ خود ہی ہے؟''

''ہاں۔ اس دن جو کچھ پیش آیا تھا اس کے ذریعے ڈگلس شاید کنگزوے کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ ڈائریکٹر جیٹھا کا سیکرٹ اس کے پاس ہے، حالانکہ اس نے وہاں نقلی ٹیوبس رکھے تھے۔ بہر حال اس نے اپنی شخصیت اس وقت تک صیغۂ راز میں ہی رکھی تھی اور وہ بنگلہ دراصل اس کا خفیہ جوا خانہ تھا۔ ان ہی حرکتوں کی سبب سے وہ اپنی ملازمت سے نکالا گیا تھا، حالانکہ اس کے خود کو پنشنر مشہور کر رکھا تھا۔''

''وہ تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا تھا۔''

''محض اس آسٹریلوی ملاح کے دھوکے میں، لیکن بعد میں شبہ ہو جانے پر گھبراہٹ میں اس نے پوری عمارت ہی اڑا دی۔ اور ہاں، تم اگر یہ پوچھو کہ اس کے دونوں آدمیوں کی موتیں حوالات میں کس طریقے سے واقع ہوئیں، تو یہ بھی ایک بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔'' خان یہ کہہ کر خود ہی ہنسنے لگا۔

Akram Allahabadi

''اپنی ہی بات پر خود ہنسنا ارسطو کے نزدیک کمیرسنی کی نشانی ہے۔'' بالے نے منہ بنا کر کہا۔

''میں اگر موڈ میں نہ ہوتا تو تمہیں سقراط کے اقوال بھی یاد دلا دیتا۔''

''آپ تو ڈگلس کے آدمیوں کے لیے کچھ کچھ کہہ رہے تھے۔''

''اس کمبخت نے انھیں سکھا رکھا تھا کہ وہ اگر پولیس کے پھندے میں پھنس جائیں تو خود کو قہقہوں کی بیماری کا شکار ظاہر کر کے ہنسنا، قہقہے لگانا شروع کر دیں۔ پھر ہنستے ہنستے جب وہ فرضی طور پر بیہوش ہو جائیں گے تو یقیناً پولیس انھیں اسپتال میں منتقل کر دے گی اور وہاں سے وہ انھیں بآسانی نکال کے جائے گا۔ اور ہوا بھی یہی کہ جس وقت انھیں اسپتال میں لے جایا گیا تو وہ دونوں پوسٹ مارٹم کا نام سن کر ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ یہ اطلاع مجھے بعد میں ملی تھی۔ بہر حال میں نے انھیں بڑودہ جیل روانہ کرا دیا اور دوسری طرف ڈگلس کے نہلے پر دہلا لگاتے ہوئے ان کی پراسرار موت کا اعلان بھی کرا دیا۔ تم نے اخباروں میں اگر ان خبروں کو غور سے پڑھا ہوگا تو ان کے نیچے 'غیر تصدیق شدہ' کے مختصر حروف بھی لکھے ہوئے ہیں۔''

''آپ کا مطلب یو سی یعنی ان کنفرڈ (un-confirmed)؟''

''ہُم۔''

''میں تو انھیں کسی خبر رساں ایجنسی کا شارٹ سمجھا تھا۔''

''دوسرے بھی یہی سمجھے ہوں گے۔''

''تو پھر ڈگلس کہاں مر گیا؟''

''وہ روپوش ہو گیا تھا، لیکن مجھے یقین تھا کہ آسٹریلوی وفد کی ریڈیو کلب والی دعوت میں وہ کسی نہ کسی طرح ضرور آئے گا۔ کیونکہ میں نے اس کی استقبالیہ کمیٹی کے ممبروں میں اس کا نام دیکھا تھا۔ البتہ وہاں وہ اپنی شکل بدل کر ہی شریک ہوا تھا۔''

''کیا وہ سیاہ چشمے والا؟''

"ہاں۔"

"لیکن وہ تو خود کو کسی نامعلوم باس کا ماتحت ہی ظاہر کر رہا تھا۔"

"محض فریب دہی کے لیے، تاکہ کنگز وے مرعوب ہو کر معاملہ کرلے۔"

"کنگز سے کیا معاملہ کرنا چاہتا ہے؟"

"وہ اس راز کو واپس حاصل کرنا چاہتا ہے، جو نیو گنی کی پراسرار زمین سے ڈاکٹر جیٹھا چرا کر لایا تھا۔"

"اور وہ راز کیا ہے؟"

"محض ایک چھانچ کی چھٹی سی ٹکی جو سونے کی بنی ہوئی ہے۔"

"اس میں کوئی قارون کا خزانہ دفن ہے کیا؟"

"میرا خیال ہے قہقہوں کی موت اس میں چھپی رہتی ہے۔"

"باپ رے، اتنی بڑی موت اور ایک ٹکی میں؟" بالے نے اظہارِ حیرت کیا۔ "مگر وہ ہے کس کے پاس؟"

"محض یہی مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا ہے، ورنہ کنگز وے مجھ سے معاملے کی بات نہ کرتا۔"

"معاملے کی بات؟ آپ سے؟"

"ہاں۔ پال گھاٹ کے ہوٹل میں اوور کوٹ اور فیلٹ ہیٹ میں چھپا ہوا میں ہی اس سے ڈگلس کے پراسرار باس کی حیثیت سے ملا تھا، لیکن کمبخت نے اس گفتگو میں بھی کچھ لگا نہیں، بلکہ اس پستہ قد آدمی کو میرے پیچھے لگا دیا تھا۔"

"تو پھر آپ اسے ڈگلس کے گھر کیوں لے گئے تھے؟"

"ڈاج دینے کے لیے تاکہ اس کا سارا شبہ ڈگلس پر مرکوز ہو جائے۔ میں اسے ڈگلس کے مکان کی تلاشی لینے میں الجھا کر خود کنگز وے کے ہوٹل میں پہنچ گیا تھا، لیکن شاید وہ اس چیز کو

بہت محفوظ، بلکہ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔"

"یعنی اس کے پاس ہی ہے وہ ملک الموت کا پیغام؟"

"نہ ہوتا تو پھر ڈگلس کے دھوکے میں وہ بیچارہ اجنبی کیوں مارا جاتا۔ البتہ وہ اس کے انتظار میں ہے۔"

"اور ڈگلس کو کیوں آزاد چھوڑا آپ نے؟"

"اس نے اپنی تمام خطائیں تسلیم کر لی ہیں۔ میں نے اس کی یقین دہانی پر اسے خفیہ ضمانت پر رہا کرا دیا ہے۔"

"آپ نے اس پر بھروسہ کر لیا؟"

"وہ بہت برا آدمی نہیں ہے، لیکن لالچ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ بہرحال اس وقت وہ پولیس کی نگرانی میں پولیس کے لیے ہی کام کر رہا ہے اور میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اسے کم سے کم سزا دلاؤں گا۔"

"تو پھر جیٹھا کے خون کا ذمے دار کون ہے؟"

"یہی تو ایک راز رہ گیا ہے جسے حل کرنا ہے۔ اور یہ اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے جب ہمیں یہ پتا چل جائے کہ ڈاکٹر جیٹھا جس سنسنی خیز عجوبے کا انکشاف کرنے والے تھے، وہ کیا تھا اور اس وقت کس کے پاس ہے۔"

"تو کیا وہ بکس...؟" بالے نے کہنا چاہا۔

"وہ محض ایک دھوکا یا نقلی چیز ہوگی۔ اصل چیز ڈاکٹر نے ضرور کسی زیادہ محفوظ مقام پر رکھی ہوگی۔" خان نے کہا۔

"اور ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں کوئی ڈاکٹر کا رازدار بھی ہے۔"

"ایسے معاملے میں اس کے کسی رازدار کے ہونے کا امکان نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کسی نے چھپ چھپا کر اس سے واقفیت حاصل کر لی ہو۔"

Akram Allahabadi

''ڈاکٹر جیٹھا کا خاص اسسٹنٹ تو ڈاکٹر رحمٰن ہی تھا۔'' بالے نے کہا۔

''مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کے لیے کنگزوے جس گھات میں تھا، وہ کام کسی اور نے کر ڈالا ہے اور کنگزوے کو یہ غلط فہمی ہوئی ہوگی کہ ڈاکٹر آپ اس چیز پر اپنے تجربے کا شکار ہو گیا ہے۔ اسی لیے اس نے لیب کی تلاشی کرائی تھی۔'' خان نے کہا۔

''صرف ایک بات ہی آپ کے شبہات کو مدلل کرتی ہے، ورنہ باقی تو اندازے ہی معلوم ہوتے ہیں۔'' بالے نے گویا تبصرہ کیا۔

''میں بھی سنوں۔''

''کنگزوے کا ٹھہرا رہنا۔''

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کنگزوے جانے سے پہلے اس کے جاننے والے ہر آدمی کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔'' خان نے خود ہی اپنے قول کی تردید کر دی۔

''اپنے پلے خاک نہیں پڑا، ڈاکٹر رحمٰن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا آپ نے؟''

''اس کی شروع سے نگرانی کی جا رہی ہے، لیکن ابھی تک اس سے ایسی حرکت زرزد نہیں ہوئی جو کسی شبے کا موقع دیتی۔''

''پھر اب آپ مجھے کہاں لے چل رہے ہیں؟''

''کسی مویشی خانے میں چھوڑ دوں گا۔''

''پلیز، سر، میرے ایک ہزار پانچ سو پچپن بچے... میرا مطلب ہے کہ یتیم بچے...''

''چپ رہو۔''

یہ کہہ کر خان کار کے وائرلیس کمیونیکیٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ رسیونگ بلب اسپارک کر رہا تھا۔

''ہیلو۔'' اس نے ماؤتھ پیس اٹھا کر کہا۔ ''ایس پی، آئی جی، اسپیکنگ۔''

''میں رؤف بول رہا ہوں، سر۔ ابھی ابھی جولی ایڈمنڈ اس ہوٹل میں داخل ہوئی

ہے۔کنگزوے ابھی تک اندر ہی ہے۔" رؤف نے بتایا۔

"نگرانی رکھو اور مجھے اطلاع دیتے رہو، ممکن ہو تو اندر جا کر دیکھنے کی کوشش کرو۔ شاید کوئی تیسرا بھی آ جائے۔"

"او کے سر۔"

خان نے سوئچ آف کر دیا۔

"تو بھائی حرام مونچھا ابھی تک وہاں دربانی کر رہے ہیں۔"

"تمہارا فون پانے کے بعد میں نے اسے روانہ کر دیا تھا، کیونکہ مجھے تمہاری ضرورت تھی۔"

کچھ دیر بعد خان نے کار ایک سڑک کے فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی۔ سامنے ایک ٹیلرنگ فرم کا شوروم تھا، جس کی چوڑی شوبار میں شیشے کا قد آدم فریم لگا ہوا تھا۔

"وہاں جا کر بیٹھ جاؤ اور سامنے سڑک کے اس پار والی عمارت کے دروازے پر نظر رکھو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"جو کچھ خدا کی قدرت سے ظہور میں آئے، دیکھنا۔"

"اور جو دکاندار نے بھگا دیا تو؟"

"یہ تمہاری نا اہلیت کا ثبوت ہوگا۔" یہ کہہ کر خان نے گاڑی پلٹائی۔

دکاندار نے کوئی اعتراض نہیں کیا، جب بالے نے اسے بتایا کہ ایک دوست یہاں اپنے سوٹوں کی سلائی کے لیے آرڈر اور پیائش دینے آنے والا ہے اور وہ اس کا انتظار کر رہا ہے۔لیکن اسے کافی دیر وہاں بیٹھنا پڑا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد اچانک ایک کار کو اس دروازے پر رکتے دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ کار شوکت کی تھی اور اس میں سے اترنے والی وہی پارسی لڑکی شوکت کے ساتھ تھی۔ وہ دونوں اس عمارت میں داخل ہو گئے۔ بالے اپنی جگہ سے اٹھنا ہی چاہتا تھا، مگر اسے فوراً خان کی

ہدایت کا خیال آ گیا اور وہ وہیں بیٹھا رہ گیا۔

''آپ کے دوست ابھی تک نہیں آئے۔'' دکاندار نے ناخوشگوار لہجے میں اس سے پوچھا۔

'میں صرف دس منٹ اور انتظار کرتا ہوں، ورنہ خود انھیں تلاش کر کے لاؤں گا، کیونکہ میں نے ان سے دعوا کیا ہے کہ اس دکان سے بہتر سوٹ ہندوستان بھر میں کہیں نہیں سلتے۔'' بالے نے اس کی تعریف کر دی اور وہ خوش ہو گیا۔

''ہاں، دیکھیے نا، ہم نے اپنے کاریگروں کو انگلستان سے ٹریننگ دلائی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے، تبھی تو میں نے اپنے دوست سے شرط لگائی ہے۔''

''آپ ٹھنڈا وغیرہ کچھ پئیں گے؟'' دکاندار نے اس کی خاطر شروع کر دی۔

''صرف ایک گلاس پانی۔''

''ہاں ہاں، ابھی لیجیے۔'' یہ کہہ کر وہ کھسک گیا۔ اور بالے کی نگاہیں پھر اس عمارت کے دروازے پر جم گئیں۔ اس پر باہر فریدہ مینشن کے الفاظ کندہ تھے۔ تقریباً دس منٹ بعد ہی بالے کو اس دروازے سے وہی پارسی لڑکی میوہ والا اور اس کے ساتھ شوکت کی بجائے جو دوسرا آدمی باہر نکلتا نظر آیا، وہ ڈاکٹر رحمن تھا۔ بالے اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔

''دس منٹ ہو چکے ہیں، اب میں خود ہی اپنے دوست کو پکڑ لاتا ہوں۔'' بالے یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں ہاں، ضرور۔ میں آپ کا انتظار کروں گا۔ بلکہ آپ کو شرط جیتنے کے علاوہ دس فیصدی کمیشن بھی دیا جائے گا۔'' دکاندار نے پیش کش کی۔

''تب تو ابھی لاتا ہوں اس کمبخت کو۔'' بالے یہ کہہ کر باہر نکل آیا۔

وہ دونوں شوکت کی کار میں ہی بیٹھ چکے تھے اور ڈاکٹر رحمن خود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

بالے شوکت کے بارے میں جاننا چاہتا تھا، لیکن اس وقت اتنا موقع ہی نہ تھا۔ اسے

مجبوراً ٹیکسی کرنی پڑی۔ٹیکسی ڈرائیور کوئی ہوشیار آدمی معلوم ہوتا تھا۔وہ اس کا مطلب سمجھ گیا اور بڑے احتیاط سے شوکت والی کار کا پیچھا کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

فندک کے کھنڈرات

نیشنل پارک میں اس وقت بالعموم سناٹا رہتا تھا اس کے عقبی حصے میں جہاں پانی کے زمین دوز نلوں کے ذریعے غیر قدرتی چشمہ بنایا گیا تھا، ان اوقات میں شاید ہی کوئی جاتا۔ ڈاکٹر رحمٰن اور میوہ والا پارک کے پچھلے حصے کی طرف کار روک کر اندر داخل ہو گئے۔ بالے بھی ان کے پیچھے ہی تھا، لیکن وہ تراشیدہ مہندی کے پودوں کی آڑ میں چل رہا تھا اور اس قدر آہستہ کہ اس کے قدموں کی چاپ بھی کوئی نہ سن سکے۔

وہ دونوں چشمے کے کنارے پہنچ کر رک گئے۔ مدھوکامنی کے خوشبودار درخت کے سائے میں جہاں ایک ٹیلہ بنایا گیا تھا اور اس پر بیٹھ کر چشمے کا منظر بڑا رومان پرور اور خوشگوار معلوم ہوتا۔ وہ دونوں وہیں بیٹھ گئے۔ میوہ والا نے ڈاکٹر کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور ڈاکٹر کسی فلمی ہیرو کے انداز میں اسے اپنی آغوش میں دبا کر پیار کرنے لگا۔ بالے اس وقت تک ٹیلے کی پشت پر پہنچ چکا تھا۔ یہاں کے درختوں کی آڑ اس کے بہت کام آئی۔ وہ ان کے سائے میں لیٹ گیا اور ان دونوں کی گفتگو سننے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''اگر تم مجھے اس سے نجات نہیں دلاؤ گے تو میں خودکشی کر لوں گی، ڈارلنگ۔'' وہ انگریزی میں اس سے کہہ رہی تھی۔

''لیکن وہ میرا پرانا واقف کار ہے، کیا یہ اچھی بات ہوگی؟''

''تو اس طرح ہم کب تک چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے؟''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس جیسے احمق سے شادی کیوں کی۔'' ڈاکٹر رحمٰن نے اس کے ریشمی بالوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

''اس کی حماقت سے نہیں، اس کی دولت سے۔ ویسے محبت مجھے صرف تم سے ہے

اوراس لیے میں چاہتی ہوں کہ ایک پنتھ دو کام والا معاملہ ہو جائے گا۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"بڑے بھولے ہو تم۔" وہ اس کے گال پر پیار سے طمانچہ مار کر بولی۔

"کچھ سمجھاؤ بھی تو۔"

"شوکت کم از کم چالیس لاکھ کی دولت کا اکیلا مالک ہے اور اب یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ کس طرح اسے راستے سے ہٹا دیا جائے تا کہ ہم ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے بھی ہو جائیں اور چالیس لاکھ کی دولت بھی ہماری ہو جائے۔" وہ اٹھلا کر کہنے لگی۔

"چالیس لاکھ۔" ڈاکٹر سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔اوہ.." وہ چونک کر بولا۔

"کیوں نہ اسے پاگل بنا کر ختم کر دیا جائے۔" وہ چٹکی بجا کر کہنے لگا۔

"ونڈر فل، ڈارلنگ۔بس آج ہی کر ڈالو اس کا کام، میں اب تمہارے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔"

"تو آؤ، آج میں تمہیں وہ چیز دکھاتا ہوں جو اب تک کسی نے نہیں دیکھی۔اس سے تمہیں میری قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔میں چاہوں تو سارے شہر کو پاگل بنا کر مار ڈالوں۔"

"یو آر گریٹ مائی ہرٹ۔" میوہ والا نے اس کے سینے پر سر ٹیک کر کہا۔

کچھ دیر بعد ہی وہ واپس لوٹ رہے تھے، لیکن اس بار ان کا راستہ بدل چکا تھا۔ڈاکٹر کی کار شہر کی بجائے شہر کے باہر قلعہ فندک کے کھنڈرات کی طرف جا رہی تھی۔

"یہ ہم کہاں چل رہے ہیں، ڈارلنگ؟" میوہ والا نے اس کے دوش پر اپنا سر ٹیک کر پوچھا۔

"جہاں سارے شہر کو پاگل بنا دینے والی میری طاقت کا راز پوشیدہ ہے۔" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔پھر اس نے کار چلاتے چلاتے جھک کر میوہ والا کے سرخ سرخ لبوں کو چوم لیا، لیکن اسے شاید یہ خبر نہ تھی کہ کار کی اسٹپنی پر اس وقت ایک اور بھی بوجھ لدا ہوا ہے۔ایک آدمی کا

Akram Allahabadi

بوجھ۔

قلعہ فندک ایک چھوٹا سا بہت پرانا قلعہ تھا، جو مسمار ہو چکا تھا، البتہ اس کے کھنڈرات ابھی تک موجود تھے اور ان کے بعض حصے قابلِ رہائش حد تک قائم تھے، لیکن یہاں کوئی آبادی نہ تھی نہ ہی لوگ تفریحاً اس طرف آتے تھے، البتہ کبھی کبھی آثارِ قدیمہ کے شوقین سیاح یا طالب علم آنکلتے اور قلعے کی نیم شکستہ دیواریں ان کی مختلف بولیوں سے گونج اٹھتی۔

ان کی کار کے رکنے کی اور انجن بند ہونے کی آواز بھی اس ویران مقام پر دور تک سنی گئی ہوگی۔ ڈاکٹر کار سے اتر گیا۔

''تم یہیں ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں۔'' وہ میوہ والا سے کہنے لگا۔

''نہیں، میں بھی چلوں گی، ڈارلنگ۔ مجھے اکیلے اس ویرانے میں ڈر لگتا ہے۔'' یہ کہتی ہوئی وہ بھی اتر کر ساتھ ہولی۔

قلعے کے مختلف منہدم حصوں سے گزرتے ہوئے ڈاکٹر ایک وسیع دالان میں آکر رک گیا۔ یہاں ایک پتھر کا بھاری دروازہ لگا ہوا تھا، جس کے دوسری طرف ایک بہت ٹھنڈا سا پتھریلا کمرہ تھا۔ یہاں آکر وہ ستانے کے لیے رک گئے۔ اس کمرے کے وسط میں ایک پتھر کے شیر کا مجسمہ بنا ہوا تھا، جو ایک بلند چبوترے پر رکھا تھا۔

''شاید کسی نے یہ بھی محسوس نہ کیا ہوگا کہ اس شیر کا منہ کھل بھی سکتا ہے۔'' ڈاکٹر شیر کی طرف اشارہ کر کے بولا اور پھر اس نے میوہ والا کو دکھانے کے لیے اس کے دونوں جبڑے پکڑ کر پھیلانے شروع کر دیے۔ طاقت لگانے پر شیر کا منہ کھلتا چلا گیا اور ڈاکٹر نے اپنا چوڑا ہاتھ اس کے حلق میں اتار دیا۔ وہ اندر سے کھوکھلا تھا۔ دوسرے لمحے جب ڈاکٹر کا ہاتھ باہر نکلا، تو میوہ والا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوگئی۔ ڈاکٹر کے ہاتھ میں ایک چھ انچ لمبی تین انچ چوڑی اور ڈیڑھ انچ چپٹی چمڑے کی تھیلی تھی۔

''یہ کیا بلا ہے؟'' میوہ والا نے چہرے پر مصنوعی حیرت پیدا کر کے کہا۔

''یہ بہت بڑی بلا ہے۔اس کے لیے مجھے اپنے محسن سے غداری کرنی پڑی ہے۔''
ڈاکٹر اسے مٹھی میں دبائے پرجوش لہجے میں بولا۔

''اس سے کام ہو جائے گا تمہارا؟'' میوہ والا نے پوچھا۔

''میں نے بتایا نا کہ اس سے میں پورے شہر کو پاگل بنا کر مار سکتا ہوں۔اس میں موجود زرد سیال مادے کے صرف تین قطرے موت کے پیغام کی حیثیت رکھتے ہیں۔کوئی ان کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔'' ڈاکٹر نے اسے بتایا۔

''میں بھی دیکھوں کیا چیز ہے یہ۔'' میوہ والا نے یہ کہہ کر وہ شیشی اپنے ہاتھ میں لے لی، لیکن ابھی وہ شیشی اس کی گرفت میں پہنچی ہی تھی کہ اچانک کسی سمت سے ایک فائر ہوا اور ڈاکٹر اچھل کر پانچ قدم دور جا گرا۔گولی اس کی داہنی پسلی میں لگی تھی۔

بالے نے چونک کر دیکھا۔کھنڈر کی ایک شکستہ محراب میں کنگزوے کھڑا ہوا تھا۔اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔اور اس کے ہاتھ میں موجود ریوالور کی نال سے اب تک دھواں نکل رہا تھا۔

''اور تم، جاسوس، تم بھی سامنے آجاؤ، ورنہ دوسری گولی تمہارے سینے میں ہوگی۔''
اس کا تخاطب اس بار بالے کی طرف تھا۔اور بالے حیرت سے چونک پڑا۔کیونکہ وہ اسے اپنے پیچھے ہی دو انسانی سائے کھڑے نظر آئے۔وہ دو سیاہ فام آدمی تھے اور ان کے ہاتھوں میں بھی ریوالور موجود تھے۔بالے کو ہاتھ اونچے کر لینے پڑے۔وہ اسے دھکیل کر اسی جگہ لے آئے جہاں پر کنگزوے اور میوہ والا موجود تھے۔

''شاباش، جولی۔تم اب آسٹریلوی نیوگنی کے ۸۰ ہزار انسانوں کے ملک کی رانی بن کر حکومت کروگی۔بہت اچھا ہوا جو اس ہلاکت خیز تریاق کا راز مرنے والوں سے آگے نہیں پھیل سکا۔'' وہ جولی کی پیٹھ تھپک کر بولا۔

''لیکن ڈگلس؟'' جولی نے پوچھا۔

''اسے اس کی نئی پناہ گاہ میں ہی رات کو ختم کیا جا چکا ہے۔ وہ ولسن کے ساحلی بار میں شراب پی رہا تھا، جب ہمارے اس آسمانی عتاب کے تین قطروں نے اسے جنٹ بخش دی۔'' کنگزوے مسرت سے چمکتی آنکھیں جولی کے حسین چہرے پر گاڑ کر بولا۔

''چلیے اچھا ہوا، لیکن اس جاسوس کا کیا ہوگا؟''

''بس یوں سمجھ لو کہ اس ڈاکٹر نے اس جاسوس کو گولی ماری اور جاسوس نے اس ڈاکٹر کو۔'' کنگزوے کے ہونٹوں پر یہ کہتے ہوئے ایک خوفناک سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

''پلیز، سر۔'' بالے نے بڑی معصوم شکل بنا کر کہا۔ ''میرے ایک ہزار پانچ سو پچپن یتیم خانے... آئی ایم ساری... یتیم بچے...''

''شٹ اپ۔'' کنگزوے دہاڑا۔ ''اس کی جیب سے پستول نکالو۔'' اس نے جولی کو حکم دیا۔ جولی آگے بڑھ کر اس کی جیبیں ٹٹولنے لگی، جب اس کا ہاتھ بالے کے سینے کی جیبوں پر پہنچا تو بالے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''بس بس، اسی طرح ہاتھ سینے پر رکھ دو تو قرار آجائے، جولی ڈارلنگ۔'' لیکن جواب میں اسے جولی کا تھپڑ کھانا پڑا۔ جولی نے اس کی اندرونی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ کنگزوے نے بالے کا پستول کے کر اس سے ایک فائر ٹھیک اس نشانے پر کیا جہاں ڈاکٹر رحمٰن کے پہلے گولی لگی تھی اور رحمٰن کے جسم کا خفیف سا ارتعاش بھی ختم ہو گیا۔

''لو سنو، سارجنٹ۔'' کنگزوے اس سے کہنے لگا۔ ''اگر یہ گدھا ڈاکٹر جیٹھا کو اس تریاق سے قہقہوں کی موت نہ مارتا تو میرے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہ ہوتی کہ نیوگنی کے دیوتا آگنس کی عظیم معبد گاہ سے چرائی ہوئی یہ امانت کس کے پاس ہے۔ اس نے میرے ساتھ احسان کیا تھا، لیکن اپنے محسن سے غداری کا صلی تو اسے ملنا ہی چاہیے تھا۔ نیوگنی میں ان دونوں نے میرے مہمان بن کر مجھے فریب دیا تھا، لیکن کنگزوے کے ہاتھ بہت لمبے ہیں، سارجنٹ۔''

''کہاں؟ میرے جیسے ہی تو ہیں۔'' بالے نے بچوں کی طرح بھولی شکل بنا کر کہا۔

کنگزوے ڈاکٹر رحمن کی جیب سے بھی چھوٹے سائز کا سات راؤنڈ والا امریکن پستول نکال چکا تھا۔اس نے اس کا رخ اب بالے کی طرف کر دیا۔

''چلو تم بھی پہنچ جاؤ اب اس کے پاس تا کہ قہقہوں کی موت کا راز ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے۔'' یہ کہہ کر ٹرائیگر دبانا ہی چاہتا تھا کہ ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

''اور اس کے ساتھ ہی تم بھی۔'' ساتھ ہی فائر ہوا اور کنگزوے کے ہاتھ سے پستول دور جا گرا۔

یہ خان کی آواز تھی۔کنگزوے نے چونک کر دیکھا۔وہ خان کے ریوالور کی زد پر تھا۔

''کھوپڑی کی پرخچے اڑ جائیں گے، ورنہ ان گدھوں سے کہو کہ ہتھیار پھینک دیں۔'' خان نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔اور خود کو بے بس محسوس کر کے کنگزوے کو اپنے آدمیوں کو حکم یہی حکم دینا پڑا۔جولی نے اس وقت اچانک خان پر فائر کر دیا،لیکن ٹھیک وقت پر بالے نے جست کر کے اس کے ہاتھ پر اس طرح لات ماری کہ نشانہ تو چوکا ہی،مگر پستول دور گرنے کے ساتھ ساتھ وہ چیختی ہوئی اپنا ہاتھ تھام کر زمین پر بیٹھ گئی۔اس کے منہ سے بالے کے لیے گالیوں کا طوفان امڈ پڑا۔

''بیٹے،آسمان کی مقدس اولاد،تمہارے اس آسمانی عتاب نے نیوگنی کے سادہ لوح باشندوں کو مدت تک بے وقوف بنایا ہے،لیکن یہ ہندوستان ہے اور کہو تو یہ بھی بتا دوں کہ یہ ریت کے میدانوں میں پائی جانے والی زرد گول بوٹی کا عرق اور شیر کی چربی کا مشترک سیال ہے، جسے تم نے اپنی ڈائری آسمانی عتاب کا نام دیا ہے۔'' خان نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے قریب آتے ہوئے بولا۔

''کون ہو تم؟'' کنگزوے گھبرا کر چیخ اٹھا۔

''میں آسمانی مصیبت ہوں تمہارے لیے۔'' خان نے جواب دیا۔

''یہ تم سے بھی بڑے باپ ہوتے ہیں،مقدس باپ۔'' بالے بیچ میں بول اٹھا۔

''اور، ڈارلنگ جولی، تم انھیں اپنا خسر بھی بنا سکتی ہو۔''

''شٹ اپ۔'' جولی پیر پٹک کر چیخی۔

''تم... تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں آسٹریلوی وفد کا ممبر ہوں۔'' کنگزوے نے اکڑ دکھائی۔

''لیکن میں تمہیں گورڈن، ڈگلس، ڈاکٹر رحمٰن اور ایک بے گناہ شہری کے خون کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔

''جولی ڈارلنگ، تمہارے لیے بھی میں یہ خوبصورت ہندوستانی کنگن پیش کرتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف، ورنہ تمہاری ایسی تیسی۔'' بالے نے بھی یہ کہہ کر جولی کو ہتھکڑی ڈال دی۔ باقی دونوں آدمی پہلے ہی خوفزدہ ہو چکے تھے، ان کے ہاتھ صرف رسیوں سے باندھ دیے گئے۔

''شوکت کا کیا ہوا؟'' بالے نے خان سے پوچھا۔

''اس نے شوکت کو بے وقوف بنا کر اس سے سول میرج کر لی تھی اور اسی کی آڑ میں ڈاکٹر رحمٰن سے دوستی کر کے اسے پھانس لیا، ورنہ رحمٰن شاید ابھی اس راز کو برسوں دبائے رہتا۔'' خان نے جولی کی طرف اشارہ کر کے بالے کو بتایا۔ ''شوکت اس وقت بھی ڈاکٹر رحمٰن کی قیام گاہ پر کلورافارم کے اثر سے بے ہوش پڑا ہوگا۔ یہ اسے اسی طرح بے ہوش کر کے روما فرمانے چلے جاتے تھے، تاکہ ڈاکٹر کو جولی کے بارے میں معمولی سا شبہ بھی نہ ہونے پائے۔'' خان نے بتایا۔

''وہ گدھا ہے بھی اس لائق کہ اسے کے قلعے دوسرے فتح کرتے پھریں۔'' بالے جل کر بڑبڑایا۔

''کم از کم اب تو بتا دو کہ تم کون ہو؟'' کنگزوے نے خان سے دوبارہ سوال کیا۔

وہ اب خان والی کار میں سوار کرائے جا رہے تھے، جواب میں خان نے صرف اپنا

Akram Allahabadi

کارڈ نکال کر اسے کے سامنے کر دیا۔

''اوہ، تو تم ہی وہ خطرناک آدمی ہو۔ تمہارے بارے میں میرے آدمیوں نے پہلے ہی مجھے متنبہ کیا تھا۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔ خان صرف مسکراتا رہا۔

''تمہیں میری ڈائری کیسے مل گئی؟'' اس نے دوسرا سوال بھی کر ڈالا۔

''تم جس وقت فورجس ریسٹورینٹ میں جولی کے فون کا انتظار کر رہے تھے، میں ایمبیسیڈر ہوٹل میں سرکاری طور پر تمہارے روم کی تلاشی لے رہا تھا۔ یہ نوٹ بک تم نے اپنے سوٹ کیس کی تہ والی چور جیب میں چھپائی تھی نا۔''

''تم سور ہو، کمینے ہو، گدھے ہو...'' کنگزوے اسے گالیاں دینے لگا، لیکن خان صرف مسکراتا رہا۔

''جولی ڈارلنگ، دیکھا اپنے ہونے والے نالائق شوہر کو۔ عورتوں کی طرح کوس رہا ہے۔'' بالے نے کار میں بیٹھ کر جولی کو مخاطب کیا۔

''شٹ اپ۔'' جولی ہذیانی انداز میں چیخی۔

''ہائے، پھر وہی ھھاپ۔'' بالے سرد سانس بھر کر رہ گیا اور جولی عالمِ جنوں میں اپنا سر کار کی کھڑکی سے ٹکرانے لگی۔

''ڈوگل کہاں ہے؟'' کنگزوے نے بالآخر اپنے آپ پر قابو پا کر سر جھکائے ہوئے مرے مرے لہجے میں پوچھا۔

''وہ میری قید میں ہے۔ اور تمہارے خلاف بطورِ گواہ عدالت میں پیش ہوگا۔'' خان نے ہنس کر جواب دیا۔

''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں اسی ہزار آدمیوں کا مذہبی پیشوا ہوں۔'' کنگزوے نے سر کو جھٹک کر گویا اسے چیلنج کیا۔

''اور اسی ہزار آدمیوں کو جب معلوم ہوگا کہ اپنے ایجاد کردہ ایک مہلک ترین تریاق

سے تم آسمانی عتاب کے نام پر ان کے بے گناہ ساتھیوں کی جانیں لیتے رہے ہو تو وہ تمہاری بوٹیاں تک چیر کر تقسیم کر لیں گے۔"

"اوہ، تم... تم..." اور اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکا، کیونکہ خان نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ہتھکڑیوں کے باوجود اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر اسے اپنے حلق میں خالی کر چکا تھا۔

کچھ دیر بعد اس کے بھیانک قہقہے کار میں ہی گونج رہے تھے، کیونکہ زیادہ مقدار میں پی جانے کا ردِعمل بھی فوراً ہی ہوا تھا۔ اور خان نے کار کی رفتار اس لیے تیز کر دی کہ کم از کم وہ اس کی کار میں ہی دم نہ توڑ دے۔ جولی خوفزدہ چہرہ لیے اسی ہزار انسانوں کے مذہبی پیشوا کا عبرتناک انجام دیکھ رہی تھی اور اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi